www.Readers.PK for all enthusiast readers!

نگہت سیما

زمین کے آنسو

ایک فلک شاہ کو خوابوں میں اکثر ایک خوب صورت اور نشیلی آنکھوں والی لڑکی روتے ہوئے نظر آتی ہے۔ اس نے اسے فرضی نام "حورعین" دے رکھا ہے۔ وہ اس پر کچھ تحریر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

"الریان" کے سربراہ عبدالرحمٰن شاہ ہیں۔ مصطفیٰ، مرتضیٰ، عثمان اور احسان (شانی) ان کے بیٹے ہیں۔ عمارہ (عمو) اور زارا ان کی بیٹیاں ہیں۔

"مراد ہیلس" کے سربراہ مراد شاہ کے بیٹے سلجوق، عبدالرحمٰن کے گہرے دوست ہیں۔ سلجوق کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے فلک شاہ (موی) "الریان" آجاتے ہیں۔ وہاں ان کی سب سے دوستی ہو جاتی ہے۔ احسان سے ان کی دوستی زیادہ گہری ہو جاتی ہے اور عمارہ سے محبت کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ فلک شاہ کالج میں سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے لگتے ہیں۔ فلک شاہ کو سلجوق کے انتقال کے بعد ان کی والدہ زریں جائیداد کے چکر میں لے جاتی ہیں مگر وہاں اس کا شوہر فیروز فلک سے چڑنے لگتا ہے۔ سلجوق کے انتقال کی وجہ سے جائیداد کے شرعی حق سے محرومی کے بعد وہ فلک شاہ کو واپس مراد شاہ کے پاس چھوڑ جاتی ہے اور چھ ماہ بعد فوت ہو جاتی ہے۔

عبدالرحمٰن شاہ کی بہن مروہ کی سسرالی رشتے دار مائرہ سے ملاقات میں احسان اسے پسند کرنے لگتے ہیں۔ عبدالرحمٰن، فلک شاہ سے اپنے بیٹوں کی طرح محبت کرنے لگتے ہیں اور اپنی بیٹی عمارہ کی شادی کر دیتے ہیں۔ ایک جھگڑے میں فلک شاہ "الریان" والوں سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر کے ہمادل پور چلے جاتے ہیں۔ بہت عرصے بعد ان کے بیٹے ایک کی "الریان" میں آمد ہوتی ہے۔ احسان کی بیوی مائرہ اور بیٹی رائیل کے علاوہ سب ایک کی آمد پر خوش ہوتے ہیں جبکہ عمر احسان ایک کا فین ہے۔ "الریان" میں رہنے والی اریب فاطمہ جو کہ مروہ پھپھو کے شوہر کی رشتے کی بھانجی ہے، ایک سے کافی متاثر ہے۔

عمارہ اور فلک شاہ "الریان" آنے کے لیے بہت تڑپتے ہیں۔ عمارہ کو انجائنا اٹیک ہوتا ہے تو عبدالرحمٰن شاہ بھی بیمار ہو جاتے ہیں۔

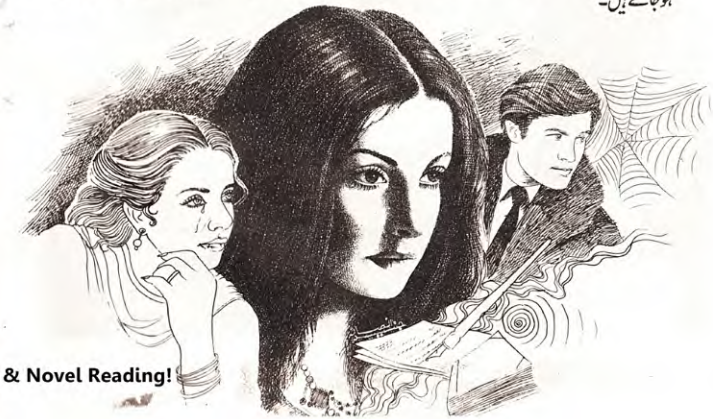

احمد رضا اور کیرا، حسن رضا اور زبیدہ بیگم کے بچے ہیں۔ احمد رضا بہت خوب صورت اور ہینڈسم ہے۔ وہ خوب ترقی، کامیابی اور شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ رضا کا دوست ابراہیم اسے ایک بزرگ اسماعیل خان سے ملواتا ہے۔ ان سے مل کر رضا کو حسن بن صباح کا گمان گزرتا ہے۔

مکمل ناول

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

دوسری قسط

ریسپشن کاؤنٹر پر کہنی ٹکائے صبا احمد سے بات کرتے کرتے اچانک آریب فاطمہ کے اندر کوئی احساس جاگا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ایک فلک شاہ کو تیز تیز چلتے ہوئے دیکھ کر بے اختیار ایک قدم آگے بڑھی۔ شاید وہ اسے پکارنا چاہتی تھی لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بغیر دوسرے کوریڈور کی طرف مڑ گیا۔

ایک گہرا سانس لے کر واپس صبا احمد کی طرف مڑتے ہوئے اس نے دل میں اعتراف کیا کہ بلاشبہ ایک فلک شاہ دنیا کے خوب صورت ترین مردوں میں سے ایک ہے اور اس میں ایسا کچھ خاص ہے کہ اسے دیکھنے اور اسے سننے کو جی چاہتا ہے۔ عمر احسان نے کینٹین سے باہر آتے ہوئے ایک شاہ کو دیکھا اور تقریباً "دوڑ کر اس کے ہم قدم ہو گیا۔

"ایک بھائی!" اس نے اس کے قدم کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے پھولے سانسوں کے ساتھ کہا۔ ایک فلک شاہ کے قدم مدھم پڑ گئے۔ اس نے عمر احسان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بابا جان کیسے ہیں؟"

"کچھ بہتر ہیں لیکن بالکل ٹھیک نہیں ہیں۔"

عمر احسان کی آنکھوں میں نمی پھیلتی چلی گئی۔ ایک فلک شاہ چلتے چلتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے تسلی دی۔

"ڈونٹ وری عمر! ان شاء اللہ بابا جان بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

عمر احسان کا جی چاہا تھا کہ وہ ایک کے کندھے پر سر رکھ کر بہت سارا روئے اور وہ اپنے اسی نرم اور پر اثر لہجے میں اسے تسلی دیتا رہے تاکہ کئی دن سے اس کا ڈوبا ڈوبا دل سنبھل جائے۔ وہ بابا جان کا بہت لاڈلا تھا۔

عاشی کے گھر آنے سے پہلے وہ ہی گھر میں سب سے چھوٹا تھا اور بابا جان اس کے بہت لاڈ اٹھاتے تھے لیکن زارا پھپھو کی وفات کے بعد جب بابا جان عاشی کو لے آئے تو گھر میں سب سے چھوٹی وہ ہو گئی تھی۔ گو بابا جان اپنا بہت سا وقت اسے دینے لگے تھے اور اس کے بہت لاڈ اٹھاتے تھے لیکن عمر احسان کی اہمیت اس کے آنے سے کم تو نہ ہوئی تھی۔

بابا جان کی مسلسل بے ہوشی کے دوران پتا نہیں کیسے اس نے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ ورنہ اس کا تو چیخیں مار مار کر رونے کو جی چاہتا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا نازک دل، بچپن سے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر آنسو بہانے لگتا تھا۔ الریان کی ساری لڑکیاں اس کا مذاق اڑاتی تھیں اور رابیل نے تو اس کا نام ہی "روتے ہیں پھم پھم نین" رکھ چھوڑا تھا۔

ایک شاہ کے قدموں میں پھر تیزی آگئی تھی اور پھر وہ کمرا نمبر 9 کے سامنے جا کر ہی رکا تھا۔

"بابا جان کے پاس کون ہے عمر؟"

"اس وقت تو صرف میں اور ہومی بھائی ہی ہیں۔"

ایک فلک شاہ نے ناب پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں چائے لینے کینٹین گیا تھا۔ ہومی بھائی اندر ہیں۔"

عمر نے فوراً "وضاحت کی تھی۔ حالانکہ ایک نے تو یونہی سرسری انداز میں اسے دیکھا تھا لیکن وہ پتا نہیں کیوں ایک کے سامنے نروس ہو جاتا تھا۔ ایک ناب گھما کر اندر داخل ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن شاہ کے بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھے ہمدان مصطفیٰ نے مڑ کر اندر آتے ایک شاہ کو دیکھا تو بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

"ایک تم!"

اور عبدالرحمٰن شاہ جو آنکھیں موندے نیم دراز تھے۔ یکدم آنکھیں کھول دیں۔ ایک شاہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھا۔

"بابا جان!"

انہوں نے بھی بے اختیار اپنے بازو پھیلا دیے اور

وہ ان کے پھیلے بازوؤں میں سما گیا تھا اور شاید اس وقت اس کے سینے میں عمارہ فلک شاہ کا دل دھڑکنے لگا تھا کہ ان کے سینے سے لگے لگے اس پر اس طرح رقت طاری ہو رہی تھی کہ اسے لگتا تھا جیسے اس کا دل پانی بن کر بہہ جائے گا۔

اور شاید اس وقت عبدالرحمٰن شاہ نے بھی اس کے لمس میں عمارہ کی خوشبو پائی تھی کہ جب وہ ان کے بازوؤں سے نکلا تو بے اختیار ہی انہوں نے اپنے بوڑھے ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیتے ہوئے اس کی روشن پیشانی چوم لی ان کی آنکھوں میں نمی بھی پھیل گئی تھی۔ وہ کتنی ہی بار ان سے ملا تھا لیکن اتنے والہانہ انداز میں وہ پہلی بار اس سے ملے تھے اور اس لمحے اسے ایک دم ہی عمارہ کا خیال آگیا تھا لیکن اپنے جذبات پہ قابو پاتے ہوئے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس نے بہت محبت سے پوچھا۔

"آپ کیسے ہیں؟"

"میری عمو کیسی ہے؟ کیا ہوا تھا اسے؟" ان کی آنکھیں پھیلنے کو بے تاب تھیں۔

"ماما اب ٹھیک ہیں۔ معمولی سا انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔"

"یا اللہ! میری بچی کو لمبی زندگی دینا۔" انہوں نے بہت آہستگی سے دعا کی تھی۔

اور عمر احسان کا جی چاہا کہ وہ شرم سے ڈوب مرے۔ ایک کے ساتھ بابا جان کے کمرے تک آتے آتے اسے ایک بار بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ایک سے پھپھو جان کا احوال ہی پوچھ لے۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا کمرے میں پڑے دوسرے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا جبکہ ایک شاہ وہیں بابا جان کے بیڈ پر ہی بیٹھ گیا تھا اور ہمدان سے بابا جان کے متعلق تفصیل پوچھ رہا تھا۔ تفصیل بتانے کے بعد ہمدان مصطفیٰ نے اس سے بے حد نرمی سے کہا تھا۔

"ایک! تمہیں پھپھو جان کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہاں انکل کیسے اکیلے ہنڈل کریں گے۔ اگر طبیعت پھر خراب ہو گئی تو... جبکہ یہاں تو ہم سب ہیں۔"

عبدالرحمٰن شاہ نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"میں بابا جان کا سن کر رہ نہ سکا۔ کل صبح ہی واپس چلا جاؤں گا یا ہو سکتا ہے آج ہی اگر بہاول پور کی کوئی فلائٹ مل جائے تو ویسے وہاں جواد، انجی، صالحہ اور طاہر بھائی ہیں۔"

عبدالرحمٰن شاہ کی سوالیہ نظریں ایک فلک شاہ کی طرف اٹھی تھیں ایک فلک شاہ کو الریان آتے کتنے دن ہو گئے تھے لیکن انہوں نے کبھی اس سے اس کی فیملی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ ہمدان کے ساتھ ایک روز اچانک الریان آگیا تھا تو ہمدان نے اس کا اتنا ہی تعارف کروایا تھا۔

"یہ ایک ہے عمارہ پھپھو کا بیٹا۔"

اور بس... اس سے زیادہ انہوں نے کبھی کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ شاید انہیں خوف تھا کہ کہیں ان کا بھرم نہ ٹوٹ جائے۔ انہیں لگتا تھا جیسے انہوں نے عمارہ اور فلک شاہ کا نام لیا تو وہ بھربھری مٹی کی طرح ڈھتے چلے جائیں گے۔ پتا نہیں کیسے انہوں نے خود کو سنبھالا ہوا تھا اور زارا کے بعد تو انہیں لگتا تھا جیسے کسی روز اچانک بھربھری مٹی کا یہ ڈھیر زمیں بوس ہو جائے گا۔

ایک فلک شاہ کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس نے شاید ان کی آنکھوں کا سوال پڑھ لیا تھا۔

"صالحہ انجی کی نند ہے اور طاہر دیور۔ سب لوگ بہت مخلص ہیں۔ انجی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ بالکل غیر ہیں لیکن اپنوں سے بڑھ کر۔"

عبدالرحمٰن شاہ کے سامنے یکدم زارا آگئی تھی۔ ان کا ہاتھ تھامے ان سے التجا کرتی ہوئی۔

"انجی بہت پیاری ہے بابا جان! بالکل عمو آپی کی کاپی... اگر ہم ہمدان مصطفیٰ..."

اور انہوں نے اس کی پوری بات سنی ہی نہ تھی اور اس کے معنی جان کر اسے منع کر دیا تھا۔

"نہیں! ایسا سوچنا بھی مت۔"

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

"لیکن بابا جان ہومی۔۔۔"

وہ جانتے تھے ہمدان، عمارہ کے گھر جاتا رہتا ہے۔ انہوں نے اسے کبھی وہاں جانے سے منع نہیں کیا تھا لیکن اب انہوں نے سختی سے زارا سے کہا تھا۔

"اسے سمجھا دینا زارا! ناممکن خواب اپنی آنکھوں میں مت بسائے۔"

ان کی نگاہیں ہمدان مصطفیٰ کی طرف اٹھی تھیں جس کے چہرے پر یکدم ایک پتھری سنجیدگی اتر آئی تھی۔

انہیں یکدم دل میں ایک چبھن سی ہوئی اور پھر پورے وجود میں درد کی ایک لہر سی پھیلتی چلی گئی۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہو گئیں۔ ایبک نے گھبرا کر انہیں پکارا۔

"بابا جان! کیا ہوا؟"

پھر انہیں بازوؤں سے تھام کر آہستگی سے لٹا دیا۔ ہمدان مصطفیٰ کے چہرے پر سجی سنجیدگی کا خول یکدم چٹخا اور وہ بھی گھبرا کر ان کی طرف جھکا۔

"بابا جان! بابا جان! کیا ہوا؟"

"یکدم نقاہت سی محسوس ہوئی ہے۔ ٹھیک ہوں میں اور ایبک بچے! ہومی صحیح کہہ رہا ہے۔ آپ کو اس طرح اپنی ماما کو چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ مومی تو بہت جلد ہمت چھوڑ دیتا ہے۔ یوں بڑا جی دار ہے لیکن جہاں رشتوں کی بات ہو، بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے جب بھی چچا جان یا چچی جان ذرا سے بھی بیمار ہوتے تھے تو ان کا سرہانہ پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا اور ان سے زیادہ اس کی حالت خراب ہو جاتی تھی۔"

آج کتنے سالوں بعد فلک شاہ کا نام ان کے لبوں پر آیا تھا۔ ہمدان مصطفیٰ نے تو اپنے ہوش میں پہلی بار انہیں فلک شاہ کے حوالے سے کوئی بات کرتے سنا تھا۔ یہاں الریان میں احسان، عثمان، مصطفیٰ وغیرہ جب بھی بھی فلک شاہ کا ذکر کرتے تو انہیں مومی ہی کہا کرتے تھے۔

"جی بابا جان! آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ بابا کا دل تو بہت کمزور ہے۔ بچپن سے ہی میں نے دیکھا ہے۔ مجھے، انجی یا ماما کو کچھ ہو جاتا تو ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ ہماری تکلیف خود لے لیں اور ہمیں منٹوں میں اچھا کر دیں۔ حتیٰ کہ فلو بھی ہوتا تو پوری پوری رات ہمارے سرہانے بیٹھے جاگتے رہتے ہیں۔"

"ہاں وہ ایسا ہی ہے بیٹا!"

عبدالرحمن شاہ کی آنکھوں میں ماضی کے کئی مناظر نمایاں ہوئے تھے۔

بچپن میں ماں باپ کو کھو دیا تو رشتوں کے معاملے میں بہت حساس ہو گیا تھا۔ مجھ سے کہتا تھا "بابا جان! اگر رشتے بازار میں ملتے ہوتے تو میں اپنے اردگرد رشتوں کا ڈھیر لگا لیتا تھا۔۔۔۔۔ سارے خوب صورت رشتے منڈی سے خرید کر لے آتا۔ چچا، ماموں، پھپھو، خالہ، نانی، نانا۔۔۔۔۔ پھر میں اتنا تہی دست نہ ہوتا مجھے یاد ہے" میں نے کہا تھا۔

"تم اب بھی تہی دست نہیں ہو میری جان! ہم سب ہیں تمہارے اپنے۔"

ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"ان دنوں وہ یو ای ٹی میں تھا اور یو ای ٹی چھوڑ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں جانا چاہتا تھا جس پر میں نے تھوڑی سی خفگی کا اظہار کیا تھا تو اس نے کہا تھا۔

"میں سوچتا ہوں بابا جان اگر کبھی یہ سارے رشتے مجھ سے بچھڑ گئے تو میں تو ایک دن بھی جی نہیں پاؤں گا۔۔۔۔۔ اس خیال سے ہی میرا دم گھٹنے لگتا ہے تو اگر ایسا ہو گیا تو میں سچ کہتا ہوں میں مر جاؤں گا بابا جان!"

اور میں نے اسے گورنمنٹ کالج جانے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ افسردہ ہو، یہ مجھے کب گوارا تھا۔"

ایبک اور ہمدان مصطفیٰ بہت خاموشی سے انہیں سن رہے تھے اور وہ جیسے بہت ساری یادوں کے ڈھیر میں سے ایک ایک یاد چن کر نکال رہے تھے۔

"وہ کہتا تھا ہمیں الریان سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔"

"اور وہ کبھی الریان سے جدا ہوئے ہی نہیں

الریان تو کبھی ان کے دل سے نکلا ہی نہیں۔ اب بھی ان کے دل میں ہی بستا ہے۔"

ایبک نے سوچا۔

"مگر اس نے الریان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور سب کے بغیر زندہ رہنا سیکھ لیا۔"

"نہیں۔۔۔۔!" ایبک نے یکدم تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔ "بابا جان آپ کو کیا خبر، وہ زندہ کب ہیں۔ پل پل مرتے ہیں وہ۔ ان کی صبحیں اور شامیں ان کے دن اور رات سب "الریان" کے مکینوں کو یاد کرتے گزرتے ہیں۔"

عبدالرحمن شاہ نے شاید اس کی بات نہیں سنی تھی۔ یکدم ہی ان کا سانس اکھڑنے لگا۔

ہمدان اور ایبک دونوں کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"بابا جان!" اور عمر احسان جو کچھ فاصلے پر بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا، یکدم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

ہمدان مصطفیٰ نے ان کا سینہ ملتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"عمر! ڈاکٹر کو بلا کر لاؤ جلدی۔" عمر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ان کی طبیعت سنبھل گئی اور دوائی کے زیر اثر وہ پرسکون ہو کر سو گئے تو ایبک نے ہمدان مصطفیٰ سے جانے کی اجازت چاہی۔

"اگر میں کسی وجہ سے واپس بہاول پور نہ جا سکا تو رات کو پھر چکر لگاؤں گا۔"

اور جب وہ باہر نکلا تو اریب فاطمہ ابھی تک وہیں کاؤنٹر پر کہنی رکھے کھڑی تھی صبا احمد جب ذرا فارغ ہوتی تو وہ اس سے بات کرنے لگتی۔ صبا احمد کو اس نے ہمیشہ ہی سراہا تھا۔ گاؤں میں صبا احمد کا گھر اس کے گھر کے بالکل ساتھ تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد صبا نے بڑی بہادری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا تھا اور چھوٹے بہن بھائیوں کی کفالت کے لیے گھر سے باہر نکلی تھی۔ وہ کالج سے سیدھی اسپتال آئی تھی بابا جان کو دیکھنے اور یہاں صبا کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ صبا نے اسے بتایا تھا کہ تین چار روز قبل ہی وہ گاؤں گئی تھی اور اس کی اماں سے ملی تھی۔ وہ بہت اشتیاق سے اماں کے متعلق پوچھنے لگی تھی۔ کتنے سارے دن ہو گئے تھے اسے اماں سے ملے اماں سے ملنے کو وہ ہمیشہ ہی بے تاب رہتی تھی۔

وہ مروہ کی رشتے کی نند کی بیٹی تھی۔ اس کی اماں کی شادی گاؤں میں ہوئی تھی۔ اس کے ابا لڑکیوں کی تعلیم کے بالکل حامی نہ تھے جبکہ اماں اسے پڑھانا چاہتی تھیں۔ اس سے بڑے دو بھائی تھے اور ایک اس سے چھوٹا تھا۔۔۔۔۔ اماں کی مروہ مامی سے کوئی بات ہوئی تھی اور مروہ بہت بچپن میں ہی اسے اپنے ساتھ رحیم یار خان لے گئی تھیں۔

مروہ مامی نے اسے کبھی اپنے بچوں سے الگ نہیں سمجھا تھا۔ بہت محبت کرتی تھیں وہ اس سے۔ پھر بھی جب وہ چھٹیوں میں گھر جاتی تھی تو ہر بار اس کے لیے اماں سے بچھڑنا بڑا اذیت ناک ہوتا تھا۔ ابا ہر بار ہی اماں سے کہتے کہ اسے واپس نہ بھیجو بہت پڑھ لیا لیکن ان کی ہر بات پر سر جھکا لینے والی اماں نے صرف اس ایک بات پر ان سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا تھا۔

پھر جب مروہ مامی مسقط جانے لگیں تو انہوں نے اسے "الریان" میں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ بی اے فائنل میں تھی اور پھر مامی کی خواہش تھی کہ وہ اپنی تعلیم ادھوری نہ چھوڑے۔ اماں کو تو کوئی اعتراض نہ تھا لیکن ابا اور بھائیوں نے خوب شور مچایا۔

"کیا ہم ایسے گئے گزرے ہیں کہ ہماری بچی اب غیروں کے گھر میں رہے گی۔"

"غیر کیوں ہیں۔ میرے بھائی کا گھر ہے۔ عبدالرحمن بھائی کے گھر میں اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

مروہ مامی کی بات کو ابا نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

"نہیں بھابی جی! آپ بس اسے گاؤں بھجوا دیں واپس۔ بہت پڑھ لیا ہے اس نے۔ زیادہ پڑھ کر کون سا اسے استانی لگنا ہے کہیں۔"

تب دبلی پتلی کمزور سی اماں، ابا کے سامنے ڈٹ گئی تھیں لیکن ابا تھے کہ مسلسل انکاری تھے اور اس محاذ پر

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

ڈٹی اماں پر اس وقت اسے اتنا پیار اور ترس آیا تھا کہ اس کا جی چاہا' اماں سے کہہ دے کہ وہ اس کی خاطر جھگڑا نہ کریں۔ اس نے پڑھ لکھ کر کون سے پہاڑ ڈھا لینے ہیں۔ لیکن اماں بھی ابا کو راضی کرنا جانتی تھیں۔

"آپ کو عبدالرحمٰن بھائی کے گھر رہنے پر اعتراض ہے نا تو ٹھیک ہے ہم اسے ہاسٹل میں داخل کروا دیتے ہیں لیکن یہ پڑھے گی ضرور۔"

پھر ابا خاموش ہو گئے تھے۔

یوں مروہ مامی جانے سے پہلے اسے الریان چھوڑ گئی تھیں۔

وہاں کاؤنٹر کے پاس کھڑے کھڑے اسے اپنی اماں اتنی یاد آئیں کہ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پتا نہیں کیوں وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھی اور بابا جان کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ کر سکی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہاں ایبک فلک شاہ بھی تھا۔ پتا نہیں وہ اس کی شخصیت کے سحر سے ڈرتی تھی یا پھر اپنے دل سے جو ایبک شاہ کو سامنے دیکھ کر کئی دھڑکنیں مس کر جاتا تھا۔ شاید میں بھی عمر احسان کی طرح اس کی فین ہو گئی ہوں لیکن مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ ہے کیا۔

عمر احسان کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے اس کے پاس سے گزرتا ہوا ایبک ٹھٹک کر رکا تھا۔ اریب فاطمہ نے یکدم نظریں ملنے پر رخ موڑ لیا۔ ایبک شاہ کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی۔

عمر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"اوکے ڈیر! اب جاؤ بابا جان کے پاس۔ ان شاء اللہ پھر ملاقات ہو گی۔"

اور عمر احسان کے لیے تو اس کی ہر بات گویا حکم کا درجہ رکھتی تھی' سو وہ وہیں سے ہی واپس مڑ گیا۔ اس نے کاؤنٹر کے پاس کھڑی اریب فاطمہ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ ہولے ہولے چلتا ہوا کاؤنٹر کے پاس آیا عین اسی لمحے اریب فاطمہ نے مڑ کر دیکھا..... اس کی پلکیں ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ ایبک فلک شاہ کی نظروں نے اسے چھوا اور اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"حورعین! تم جب بھی ملتی ہو خوابوں میں' خیالوں میں' حقیقت میں' تمہاری پلکوں پر اتنا نم کیوں ہوتا ہے۔"

اریب فاطمہ کو اتنی آہستگی سے کہی گئی بات ذرا سمجھ میں نہیں آئی اس نے بے حد گھبرا کر کہا۔

"وہ میں بابا جان کو دیکھنے آئی ہوں۔"

ایبک شاہ کی آنکھوں میں یکدم جگنو سے چمکے تھے۔ اسے خیال آیا کہ جب وہ یہاں سے گزرا تھا تو اس نے اس کے کپڑوں کی جھلک دیکھی تھی لیکن وہ بابا جان کی پریشانی میں ادھر ادھر دیکھے بغیر آگے نکل گیا تھا۔ تو کیا تب سے اب تک وہ یہاں کھڑی ہے۔ ایک خوشگوار سی حیرت کے ساتھ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"یہاں کھڑے ہو کر کیا آپ میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

"نہیں....."

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ جانے کب صبا احمد وہاں سے چلی گئی تھی۔

ایبک شاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور اس کی آنکھوں کی بے تحاشا چمک سے گھبرا کر اریب فاطمہ نے آنکھیں جھکا لیں۔

"آپ مجھ سے اتنا ڈر بھی کیوں ہیں اریب فاطمہ!"

"وہ صبا ابھی تو یہاں تھی۔" اس نے گھبرا کر پھر پیچھے دیکھا۔

"لیکن میں صبا کے متعلق تو نہیں پوچھ رہا۔" اس کی نظریں اریب فاطمہ کے چہرے پر جمی تھیں اور اس کی نظروں کی حدت سے اس کے رخسار تمتما رہے تھے۔

"کیا آپ میری وجہ سے اندر بابا جان کے کمرے میں نہیں آئیں۔ حالانکہ....."

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی لرزتی کانپتی پلکوں کو دلچسپی سے دیکھا۔

"آپ آ جاتیں تو اسپتال کے اس کمرے میں بن موسم کے بہار آ جاتی۔"

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

ریڈرز ڈاٹ پی کے کی پیشکش

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کے لئے "WWW.READERS.PK" نے پیش کیا ہے!

آیئے، آپ بھی READERS.PK اور PAKISTAN.WEB.PK کا قابل فخر حصہ بنئے!

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اس کے ممبر بن کر، اس کا قابل فخر حصہ بنئے!

اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور انہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!

پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اردو ادب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!

پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اس کا اسلامی وقومی تشخص بہتر بنایئے!

پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں انتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تاکہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!

جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محب وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

www.Readers.pk

for all enthusiast readers

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

وہ اپنی بات کہہ کر چلا گیا۔ لیکن اریب فاطمہ کے دل کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کر گیا تھا اور وہ وہیں کھڑی اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کے درست ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی جب عمر احسان کچھ پریشان سا اسے آتا دکھائی دیا تھا۔

"عمر.....!" اس نے بے اختیار ہی اسے آواز دی تھی اور عمر احسان نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اس کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"تھینک گاڈ ربا آپی! کہ آپ یہیں مل گئیں ورنہ پتا نہیں کہاں کہاں خوار ہونا پڑتا مجھے۔" اس کے قریب آکر عمر نے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں وہ جو ہم سب کی گاڈ فادر ہیں نا مونی آپا۔ ان کے دو فون آچکے ہیں کہ تم ابھی تک کالج سے گھر نہیں پہنچیں۔ لہٰذا میں خود جا کر کالج سے پتا کروں کہ خدانخواستہ آپ کا کہیں کوئی حادثہ وغیرہ تو نہیں ہو گیا۔"

"مونی آپا؟ کون؟" اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

"منیبہ شاہ۔ وہی تو ہیں الریان کے سب چھوٹے بڑے بچوں کی گاڈ فادر۔"

یہ بھی عمر احسان کی ایک عادت تھی کہ اس نے الریان کے سب لوگوں کے نام مختصر کر رکھے تھے سوائے ایک فلک شاہ کے..... ایک شاہ بھلا "الریان" کا کب تھا۔ وہ تو "مراد بیلس" کا باسی تھا۔ یہ الگ بات کہ "الریان" والوں کے ساتھ اس کا بہت قریبی رشتہ تھا اور اس قریبی رشتے کا علم عمر احسان کو چند ماہ قبل ہی ہوا تھا۔ جبکہ اس سے عقیدت کا رشتہ کافی پرانا تھا۔ جب وہ پہلی بار ان کے کالج آیا تھا تب سے۔

"میں بابا جان کو دیکھنے آئی تھی۔ کیسے ہیں وہ؟"

"ٹھیک ہیں۔"

عمر احسان بتا کر منیبہ شاہ کو فون کرنے لگا۔ ورنہ منیبہ شاہ سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ چھوٹوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کو بھی اس کی گم شدگی سے مطلع کر دیتی اور عین ممکن تھا اب تک وہ ایسا کر بھی چکی ہو۔

عمر احسان کو فون پر مصروف دیکھ کر اریب فاطمہ نے بابا جان کے کمرے کی سمت قدم بڑھا دیے۔

دھوپ کی کرنیں جب مراد پیلس کے جھروکوں سے تاک جھانک کرتی فلک مراد شاہ کے بیڈ روم کی کھڑکی کے شیشوں سے اٹکھیلیاں کرنے لگیں تو فلک مراد شاہ نے بے اختیار ہی اپنی وہیل چیئر کو کھڑکی کے قریب لا کر کھڑکی کھول دی۔ یکدم تیز روشنی اندر در آئی تو ایک لمحہ کے لیے فلک شاہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ انہوں نے چمکتی دھوپ کو دیکھ کر سوچا۔

آج کا دن کتنا روشن اور چمک دار ہے اور یہ ایسے ہی دن تھے جب دھوپ کی حدت اچھی بھی لگتی تھی مگر زیادہ دیر دھوپ میں بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا۔ انہوں نے مڑ کر عمارہ کی طرف دیکھا، جو سنبل کے نرم تکیے پر سر رکھے بہت پرسکون نیند سو رہی تھیں۔ سورج کی ایک دو شرارتی کرنوں نے ان کے ماتھے کو بوسہ دیا تو انہوں نے کسمسا کر کروٹ بدل لی تھی۔ فلک شاہ نے کھڑکی کا وہ پٹ بھیڑ دیا، جس سے راستہ پا کر کرنیں عمارہ کو ڈسٹرب کرنے چلی آئی تھیں..... اور ایک بار پھر سوچا۔ آج کا دن بہت روشن ہے۔ انہوں نے کھلے پٹ سے باہر جھانکا۔

مالی گوڈی کر رہا تھا۔ وہاں سے نظریں ہٹا کر انہوں نے اپنے بیڈ روم کا جائزہ لیا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر معمول کے مطابق پڑی تھی کچھ نیا نہ تھا لیکن پھر بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے بہت ساری گھٹن کے بعد کہیں کسی روزن سے ہوا کا کوئی ننھا سا جھونکا آکر اس گھٹن کو کم کر گیا ہو یا پھر بہت گہری تاریکی اور اندھیرے کے بعد کہیں کوئی روشن صبح طلوع ہوئی ہو۔ حالانکہ ابھی تک کہیں کچھ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ پھر پتا نہیں کیوں انہیں یہ احساس ہوا تھا کہ آج کا دن بہت روشن اور چمک دار ہے.....

اس روز بھی تو ایسا ہی روشن اور چمک دار دن تھا اور فروری کے وسط میں بھی دھوپ کی حدت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ گورنمنٹ کالج میں ڈاکٹر فاروق کے ساتھ ہونے والے میوزک کنسرٹ اور ڈرامہ فیسٹول کے

متعلق بات کر رہے تھے..... نرم گرم دھوپ میں کھڑا ہونا انہیں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حالانکہ لاہور میں بہت زیادہ سردی نہیں پڑتی تھی لیکن پچھلے ایک ہفتے سے مسلسل چھائے رہنے والے بادلوں اور ہلکی بارش نے اچھی خاصی خنکی پیدا کر دی تھی۔ سو آج انہیں دھوپ اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ ڈاکٹر فاروق کے جانے کے بعد بھی ان کا کسی کلاس میں جانے کا موڈ نہیں بنا۔ وہ وہیں سنگی بنچ پر بیٹھ گئے جب مائرہ ان کے پاس آکر رکی تھی۔

"ہیلو.....!"

انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ شولڈر بیگ دائیں کندھے پر لٹکائے، بے حد اشتیاق سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ مائرہ کو دیکھ کر انہیں رات احسان سے ہونے والی گفتگو کیا یاد آئی تھی کہ لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہو گئی وہ احتراماً کھڑا ہو گئے۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"فائن....." اس نے بے حد گہری نظر ان پر ڈالی تھی۔

"آپ ہمارے کالج میں آتے ہیں لیکن کبھی آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"میرا کبھی ادھر آپ کے ڈپارٹمنٹ کی طرف جانا ہی نہیں ہوتا۔"

"اگر ملنا مقصود ہو تو کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"ایکچوئلی مجھے علم ہی نہیں تھا کہ آپ بھی یہاں ہیں۔" وہ شرمندہ ہوئے تھے۔

حالانکہ ان کی کامیابی کی خوشی میں دی جانے والی دعوت میں چند لمحوں کی ملاقات اور مختصر سی گفتگو کے بعد ایسا ضروری نہیں تھا کہ وہ اس سے ملنے ہی چلے جاتے۔ ان کے لیے تو وہ اجنبی ہی تھی۔

وہ محض اتنا ہی تو جانتا تھا کہ وہ مروہ پھپھو کی کسی نند کی بیٹی ہے۔

لیکن یہ شرمندگی شاید احسان عبدالرحمٰن کی وجہ سے تھی جو اس مائرہ حسین پر مرمٹا تھا اور جو ان کا یار غار تھا۔ اس روز وہاں کھڑے کھڑے مائرہ حسین سے انہوں نے بہت ساری باتیں کر ڈالی تھیں۔ لیکن ان ساری باتوں میں اسی فیصد گفتگو احسان عبدالرحمٰن کے متعلق تھی۔

احسان ذہین ہے۔ احسان بہت مخلص ہے۔ بہت محبت کرنے والا ہے۔ بہت کیرنگ ہے۔ بہت لونگ ہے۔

اور وہ اس احسان نامے سے خاصی بیزار ہونے لگی تھی۔

تب فلک شاہ کو لگا تھا کہ کہیں کچھ غلط ہو گیا ہے۔ یہ احسان عبدالرحمٰن کہاں دل لگا بیٹھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ مائرہ حسین کو احسان عبدالرحمٰن شاہ میں کوئی دلچسپی نہیں۔ غرور سے گردن اونچی کیے ایک عجیب سے تفاخر کے ساتھ فلک شاہ کی طرف دیکھتی اور فلک شاہ سے اس کی ذات کے حوالے سے سوال کرتی مائرہ حسین کو فلک شاہ نے یکدم رد کر دیا تھا۔ یہ لڑکی مائرہ ہرگز بھی شائی کے قابل نہیں ہے۔

وہ اتنا مخلص سچا کھرا انسان۔

اور یہ.....

ان کا دل چاہا تھا کہ وہ احسان سے کہیں۔

"تمہیں محبت کرنے کے لیے کوئی اور لڑکی نہیں ملی تھی، اس میں ہے ہی کیا سوائے بے تحاشا حسن کے؟"

لیکن وہ یہ بات احسان عبدالرحمٰن سے نہیں کہہ سکے۔ مائرہ کا نام سن کر ہی اس کے چہرے پر رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔ وہ ایک دم ہی کتنا خوش ہو گیا تھا۔

"تم اس سے ملے تھے مومی! کیسی لگ رہی تھی؟ کس کلر کے کپڑے پہنے ہوئے تھے..... اس پر تو ہر کلر ہی سوٹ کرتا ہے، ہے نا؟ لگتا ہے سارے رنگ اسی کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں؟"

اس نے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال کر ڈالے تھے۔ اس کی یہ دیوانگی دیکھ کر فلک شاہ کچھ نہیں کہہ سکے۔ البتہ دل میں دعا ضرور کی تھی کہ اللہ احسان شاہ کے دل کو ہر دکھ سے بچائے اور مائرہ حسین کے دل میں احسان شاہ کی محبت پیدا کر دے۔

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

لیکن اس وقت وہ ہرگز نہیں جانتے تھے کہ آنے والے دنوں میں مائرہ حسین ان کے لیے کتنی بڑی آزمائش بن جائے گی۔ وہ جو پورے خلوص کے ساتھ مائرہ کو احسان شاہ کی طرف متوجہ کرانے کی کوشش کر رہے تھے' اس وقت ششدر رہ گئے' جب مائرہ حسین نے کیفے ٹیریا میں ان کے سامنے بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے بڑی بے باکی سے کہہ ڈالا۔

"فلک شاہ! تم احسان عبدالرحمٰن کی اتنی وکالت کیوں کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری اس وکالت کی وجہ سے میں اس سے محبت کرنے لگوں گی؟"

"اور اگر آپ اس سے محبت کرنے بھی لگیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ احسان شاہ ایسا ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔"

اس وقت احسان شاہ کی محبت سے فلک شاہ کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ وہ اس سے اتنی ہی محبت کرتے تھے۔

"سے بی! وہ ایسا ہی ہو فلک شاہ! جیسا تم کہتے ہو۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔ "لیکن جس دل میں محبت پہلے ہی بسیرا کر چکی ہو' اس دل میں کسی اور کی محبت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

فلک شاہ کا دل ڈوب سا گیا' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ کیا احسان عبدالرحمٰن ایسا تھا کہ اسے اس کی محبت نہ ملتی۔

نہیں وہ تو بہت نازک دل تھا۔ وہ محبت کو نہ پا سکنے کے دکھ کو سہہ نہ سکے گا لیکن محبت کے معاملے میں تو کسی پر جبر نہیں کیا جا سکتا..... وہ سر جھکائے ہاتھ گود میں دھرے اس دکھ کو برداشت کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جو ان کے جان سے زیادہ پیارے دوست کو ملنے والا تھا۔

"تم نے یہ نہیں پوچھا فلک شاہ! کہ میرے دل میں کس کی محبت نے بسیرا کر رکھا ہے۔"

وہ اس طرح تھوڑا سا آگے کو جھکی کہ فلک شاہ نے فوراً" اپنی نظریں جھکا لیں۔ فلک شاہ کو لڑکیوں کے ایسے پہناوے ہرگز پسند نہیں تھے' جو انہیں اس طرح عیاں کر دیں۔ عورت تو ڈھکی چھپی ہی اچھی لگتی ہے۔

"فلک شاہ! کیا تم جاننا نہیں چاہو گے کہ میں مائرہ حسین....." اس نے اپنے کندھوں پر جھک آنے والے بالوں کو اک ادا سے جھٹکا۔ "کس کی محبت میں اسیر ہو چکی ہوں۔"

"میں جان کر کیا کروں گا۔" انہوں نے جھکا سر نہیں اٹھایا تھا۔

"نہ تو میں آپ کے حلقہ احباب کو جانتا ہوں اور نہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی ہے کہ وہ کون ہے۔ میرے لیے تو میرا دوست' میرا بھائی اہم ہے' جو آپ سے محبت کرتا ہے۔ مجھے تو اس وقت صرف اس کا خیال آ رہا ہے۔"

انہوں نے بے حد دل گرفتی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مائرہ حسین! میرا دوست آپ سے بے حد و بے حساب محبت کرتا ہے۔ اس کی صبح کا آغاز آپ کے ذکر سے اور رات کا اختتام آپ کے ذکر سے ہوتا ہے۔"

"مجھے تمہارے دوست کے لیے افسوس ہے فلک شاہ! مائرہ حسین کے دل نے تو تمہیں چنا ہے۔ تم نے اسیر کیا ہے مائرہ حسین کے دل کو۔ فلک شاہ! میں تم سے محبت کرتی ہوں۔"

فلک شاہ لمحہ بھر کے لیے تو ششدر رہ گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اپنی طرف بے باکی سے دیکھتی مائرہ حسین کو دیکھ کر ان کے اندر غصے کا ابال اٹھا تھا۔ مٹھیاں بھینچ کر انہوں نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

"لیکن میں آپ سے محبت نہیں کرتا۔" وہ یکدم کھڑے ہو گئے۔

"مجھے علم ہے....." وہ بڑی پرسکون سی بیٹھی تھی۔

"ابھی ہم ملے ہی کتنی بار ہیں' شاید آج چوتھی مرتبہ۔ اور چاروں مرتبہ میں ہی تم تک آئی ہوں' تم نہیں آئے۔"

اس نے تفاخر سے گردن اونچی کی۔ اس کے تراشیدہ لبوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ اب تم میری طرف آؤ گے فلک شاہ! اور ایک دن میری محبت کے اسیر ہو جاؤ گے۔"

ان کی آنکھیں غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں خوں رنگ ہو رہی تھیں۔ انہوں نے بے حد حیرت سے مائرہ حسین کو دیکھا تھا۔ کیا اسے اپنے حسن پر اتنا ناز ہے مگر فلک شاہ کا دل ایسا نہیں ہے کہ صرف ظاہری شکل و صورت کے اسیر ہو جائیں اور پھر انہوں نے تو عمارہ عبدالرحمٰن شاہ کو دل کی مسند پر بٹھا کر دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے تھے۔

"ایسا نہیں ہو سکتا مائرہ حسین! کبھی نہیں۔ آپ دنیا کی حسین ترین لڑکی بھی ہوتیں تو فلک شاہ اتنا کمینہ ہرگز نہیں ہے کہ اپنے دوست کی محبت کو کسی غلط نظر سے دیکھے۔"

مائرہ حسین کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور آنکھوں میں ایک مغرورانہ سی چمک نظر آئی تو فلک شاہ نے چونک کر اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔

"آج کے بعد میں نہ آپ سے ملنا چاہوں گا' نہ دیکھنا۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے تیز تیز چلتے ہوئے کیفے ٹیریا سے باہر نکل گئے۔

یہ احسان عبدالرحمٰن کہاں دل لگا بیٹھا ہے' بے حد دل گرفتی سے سوچتے ہوئے وہ کالج گیٹ سے باہر نکل گئے۔ پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے خیال آیا تھا کہ انہیں تو ڈاکٹر فاروق سے اپنے ڈرامے کے اسکرپٹ پر ڈسکس کرنا تھا' جو انہوں نے ڈراما فیسٹول کے لیے لکھا تھا۔ لیکن پھر وہ واپس نہیں مڑے۔ ان کا دل یکدم ہی گھبراہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔ بلا سے مائرہ حسین احسان شاہ سے محبت نہ کرتی' وہ کسی بھی شخص سے محبت کر لیتی لیکن انہیں اس امتحان گاہ میں کھڑا نہ کرتی۔

وہ مائرہ حسین کو سخت ناپسند کرتے تھے۔

انہوں نے پہلی ہی نظر میں اسے ریجیکٹ کر دیا تھا۔

وہ صرف احسان کی خاطر اس کا لحاظ کرتے تھے۔ پھر بھی انہیں لگ رہا تھا جیسے وہ احسان عبدالرحمٰن سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہے۔

انہوں نے احسان شاہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حق نواز کی پارٹی میں شامل نہیں ہوں گے۔ اور سیاست وغیرہ سے دور رہیں گے لیکن اس وقت وہ اتنے اپ سیٹ تھے کہ بغیر سوچے سمجھے گاڑی حق نواز کے گھر کی طرف جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ حق نواز انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔

"یار! بہت موقعے پر آئے ہو۔"

"کیسا موقع؟"

"یار! آج ہماری پارٹی ایک احتجاجی ریلی نکال رہی ہے۔"

"کیوں؟" فلک شاہ خالی الذہن تھے۔

"یار! ہم لوگ بڑے بیوقوف ہیں' کم عقل۔ ہم نے ان لوگوں کو حکمران بنا رکھا ہے اور ان کے سامنے سجدے کر رہے ہیں' جنہوں نے اس ملک کو دولخت کیا۔ محض اقتدار کے لالچ میں اپنے ذاتی فائدے کے لیے پوری قوم کا گلا کاٹ دیا۔"

وہ ہمیشہ کی طرح جذباتی ہو رہا تھا۔ لیکن فلک شاہ کچھ نہیں سن رہے تھے یا سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

"تو تم چلو گے نا میرے ساتھ؟"

فلک شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے حق نواز! سر بھاری ہو رہا ہے۔ میں تو بس یونہی چلا آیا تھا تمہاری طرف۔ بہت دن ہو گئے تھے تم سے ملے۔"

"میں تو سمجھا تھا تم ڈر گئے ہو' اس روز لاٹھی چارج جو ہو گیا تھا ہماری تنظیم کے کارکنوں پر۔"

فلک شاہ خاموش رہے۔

"ریلی تو عصر کے بعد ہے تم کچھ دیر آرام کر لو۔ چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لو۔ میں چائے بنواتا ہوں۔"

حق نواز یوں ہی سب پر مہربان رہتا تھا۔ خصوصاً" اپنی تنظیم کے کارکنوں کے ساتھ۔ اور تب ہی وہ اندر آ

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

گیا تھا ڈرائنگ روم میں۔ اس کی شخصیت میں کچھ ایسا تھا جو متوجہ کرتا تھا۔

"یہ شیر دل ہے میرا کزن۔ کاکول سے ابھی ابھی فارغ ہوا ہے۔ لفٹیننٹ شیر دل۔"

شیر دل کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے فلک شاہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ فلک شاہ ہے میرا دوست۔"

"دوست یا تمہاری پارٹی کا کارکن؟"

"فی الحال دوست۔" حق نواز ہنسا۔

"ممکن ہے آنے والے دنوں میں اسے میں اپنی پارٹی میں شامل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ یہ ایک محب وطن شخص ہے اور ہر محب وطن آدمی ایک روز میری پارٹی کا کارکن ہو گا۔"

وہ بات کر کے گھر کے اندر چلا گیا تھا اور شیر دل ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا حق نواز واقعی تمہارا دوست ہے؟" فلک شاہ نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر تم اسے سمجھاتے کیوں نہیں۔ یہ سیاست کا کھیل اس جیسے متوسط طبقے کے لوگوں کو سوٹ نہیں کرتا۔ ماں باپ نے اس کے لیے کتنے خواب دیکھ رکھے ہیں لیکن اسے ان خوابوں کو چکنا چور کرتے ہوئے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جو بندہ ایک چھوٹے سے گھر کے چند افراد کو مطمئن نہ رکھ سکتا ہو۔ وہ بھلا پورے ملک اور قوم کو کیسے مطمئن کرے گا۔"

"آپ کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"

"مجھے سیاست سے دلچسپی ہے فلک شاہ! جتنی ایک فوجی کو ہو سکتی ہے۔ ایک فوجی ہونے کے ناتے مجھے اپنے ملک سے بھی شدید محبت ہے۔

ایک سال پہلے کاکول میں جب مجھے پتا چلا کہ میرا ملک دو ٹکڑے ہو گیا ہے تو میں ساری رات دھاڑیں مار مار کر رویا تھا اور وہاں رونے والا میں اکیلا نہ تھا۔ میرے بیچ میٹ بھی سینئر بھی جونیئر میرے افسر۔ سب رو رہے تھے۔ کوئی چھپ کر کوئی سامنے۔ مجھے بھی اس کٹ جانے والے بازو کی اتنی ہی اذیت اور تکلیف ہے جتنی حق نواز کو ہے۔

مجھے بھی ترانوے ہزار فوجیوں کے ہتھیار ڈالنے کی اذیت راتوں کو جگا دیتی ہے اور پھر میں سو نہیں پاتا۔ لیکن میں حق نواز کی طرح سڑکوں اور شاہراہوں پر آ کر اپنی ہی املاک کو نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں۔

میں سڑکوں پر نکل آنے والے ان نوجوانوں کی خون بہاتی لاشوں کو دیکھ نہیں سکتا۔ جن کے والدین نے نہ جانے کیسے کیسے خواب ان کے لیے اپنی آنکھوں میں سجا رکھے ہوں گے۔ سانپ گزر گیا لکیر پیٹنے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔

کس نے کیا کیا؟

کون مجرم ہے۔

بغیر کسی ثبوت کے کسی کے خلاف نعرے لگانے سے ہو جانے والا نقصان پورا نہیں ہو سکتا۔

دکھ کا یہ کانٹا ہمیشہ کے لیے ہمارے دل میں چبھ گیا ہے۔ ہمیں پچھلی باتیں بھلا کر اپنی غلطیوں سے سبق سیکھنا چاہیے۔" شیر دل بے حد جذباتی ہو رہا تھا وہ حیران سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

"تمہیں پتا ہے حق نواز میرے ماموں کا اکلوتا بیٹا ہے' تین جوان ہوتی بہنوں کا بھائی۔ میرے ماموں سترہ گریڈ کے افسر ہیں۔ سفید پوش حق حلال رزق کھانے والے۔ حق نواز جب پیدا ہوا تھا تو شاید تب ہی سے میری مامی نے اس کے لیے خواب دیکھنے شروع کر دیے تھے۔ اکیلے میری مامی نے نہیں' میری ماموں زاد بہنوں نے بھی' ماموں نے بھی حتیٰ کہ میری ماں بھی ان خوابوں میں حصے دار بن گئی تھی اپنے اکلوتے بھتیجے کے لیے لیکن حق نواز کو پتا نہیں کہاں سے اور کیسے یہ لوگ مل گئے ہیں کہ وہ کسی کی نہیں سنتا۔ ان کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ صرف وہی صحیح ہے ہم سب غلط ہیں۔ صرف وہی ملک کی تقدیر بدل سکتا ہے۔

صرف اسے ہی وطن سے محبت ہے۔ باقی سب صرف اس ملک کو لوٹ کر کھا رہے ہیں۔

تم جانتے ہو! آج صبح سے مامی نے کچھ کھایا پیا نہیں۔ جب سے حق نواز نے بتایا ہے کہ آج اسے ریلی میں

Khawateen Digest October 2012

شامل ہونا ہے۔ تب سے مامی جاء نماز بچھائے بیٹھی ہیں اور اس کی زندگی اور سلامتی کی دعا مانگ رہی ہیں۔ وہ جوان بیٹے کو روکنے پر قادر نہیں ہیں۔ صرف آنسوؤں پر اور دعاؤں پر ان کا اختیار ہے' سو وہ آنسو بہائے جاتی ہیں اور دعائیں کیے جاتی ہیں۔ شہر میں دفعہ 144 لگی ہوئی ہے۔ حکومت نے ریلی کو روکنے کے لیے کئی شہروں سے پولیس منگوالی ہے۔ سو گولی بھی چلے گی اور لاٹھی چارج بھی ہو گا۔ کون جانے کون گولی کس کے نصیب کی ہو گی۔"

اس روز شیر دل بہت بولا تھا اور اس روز فلک شاہ اس نوجوان فوجی سے ازحد متاثر ہوئے تھے۔ دونوں کے درمیان دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا تھا۔ وہ اس روز حق نواز کے ساتھ ریلی میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن گھر بھی نہیں گئے تھے اور جب تک حق نواز واپس نہیں آیا تھا' وہ شیر دل کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھے رہے تھے۔

حق نواز آیا تو اس کی آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں اور ان سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ اس کے کندھے میں شدید درد تھا۔

پولیس نے آنسو گیس اور لاٹھی چارج سے ہجوم کو منتشر کیا تھا۔ رات آٹھ بجے کے بعد وہ گھر آئے تو سب نے ہی اطمینان کا سانس لیا۔ تاہم کمرے میں آ کر خود ہی احسان شاہ کو بتا دیا تھا کہ وہ حق نواز کے گھر گئے تھے اور وہیں پھنس گئے تھے۔

"کیا تم..... آج ان کی جماعت نے ایک ریلی نکالی تھی۔" احسان پریشان سا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں..... میں اس کے کزن شیر دل کے ساتھ تھا۔" وہ بے حد بے چین تھے۔ کتنی ہی دیر اپنے بستر پر کروٹیں بدلنے کے بعد اٹھ بیٹھے۔

"شالی! کیا تمہیں محبت کے لیے مائرہ حسین کے علاوہ کوئی اور لڑکی نہیں ملی تھی؟"

"کیوں مائرہ حسین میں کیا برائی ہے؟"

مائرہ کے ذکر پر اس کی سنجیدگی یکدم مسکراہٹ میں ڈھل گئی تھی اور اس نے کتاب اوندھی کر کے تکیے کے پاس رکھی اور پوری فرصت سے فلک شاہ کی طرف متوجہ ہو گیا فلک شاہ نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔

"نہیں! بس ویسے ہی کہہ رہا تھا۔ تم ایک کام کیوں نہیں کرتے۔ اپنا رشتہ بھجوا دو اس کے لیے۔"

"کیوں؟" احسان شاہ مشکوک ہوا۔

"ابھی تو مجھ سے بڑے بھائی موجود ہیں۔ میں اماں جان سے کیسے کہہ سکتا ہوں میرا رشتہ کر دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم مجھے اصل بات بتاؤ' تم نے یہ کیوں کہا۔ کیا مائرہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے؟"

فلک شاہ لمحہ بھر کو سٹپٹائے۔

"میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں شالی! میرا ڈپارٹمنٹ بالکل الگ ہے اس سے۔ میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ چند ماہ کی بات ہے اس کا ماسٹرز کمپلیٹ ہو جائے گا تو لازمی بات ہے اس کے پیرنٹس اس کی شادی کے متعلق ہی سوچیں گے۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ مروہ پھپھو کے کان میں بات ڈال دو تاکہ وہاں گھر میں کوئی ایسا سلسلہ ہو تو وہ بروقت کچھ کر سکیں۔ مروہ پھپھو کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"نہیں..... ایک ہی اعتراض ہو گا اور جو سب کو ہو سکتا ہے اور وہ عمر کا ہے لیکن میں چند سال کی بڑائی چھوٹائی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔"

"تو پھر تم مروہ پھپھو سے بات کر لینا۔"

"میں نہیں' تم..... تم یہ بات کرو گے پھپھو سے۔"

احسان شاہ سارا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال کر خود اطمینان سے سو گیا تھا لیکن فلک شاہ کو ساری رات نیند نہیں آئی۔ کروٹیں بدل بدل کر انہوں نے صبح کی تھی اور صبح جب احسان شاہ جاگا تھا تو وہ اپنے بیگ میں سامان رکھ رہے تھے۔

"کہیں جا رہے ہو کیا؟"

"بہاول پور۔" انہوں نے مختصر جواب دیتے ہوئے اپنے بیگ کی زپ بند کی تھی۔

"واپسی کب ہو گی؟"

"دو تین روز تک۔"

اور دوسرے دن وہ بہاول پور میں دادا جان کے پاس

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

بیٹھے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے التجا کر رہے تھے۔

"دادا جان! میں چاہتا ہوں' میرا اور عمارہ کا رشتہ اناؤنس ہو جائے۔"

"وجہ؟" انہوں نے بہت غور سے کارپٹ پر اپنے پاؤں کے پاس بیٹھے فلک شاہ کو دیکھا تھا۔ یہ ان کی عادت تھی وہ ہمیشہ ایسے ہی بیٹھا کرتے تھے۔

"کیا وجہ بتانا ضروری ہے دادا جان! اتنا کافی نہیں ہے کہ میں ایسا چاہتا ہوں۔"

پھر انہوں نے اصرار نہیں کیا تھا' پھر وہ ان کے ساتھ ہی لاہور آئے اور عبدالرحمٰن سے درخواست کی کہ وہ عمارہ اور فلک کی منگنی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا فنکشن ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

"لیکن ابھی بچے پڑھ رہے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ انہیں ڈسٹرب کیا جائے۔" عبدالرحمٰن شاہ کو اعتراض ہوا تھا۔ "کیا آپ کو میری بات پر اعتبار نہیں ہے چچا جان! عمارہ آپ کی بیٹی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے بیٹا! تم میرے سلجوق کی جگہ ہو۔ بس زندگی میں موی کی کوئی خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں' اس کی شادی تک ہم ہوں گے یا نہیں۔ تمہاری چچی کی بڑی خواہش ہے کہ موی کے حوالے سے کوئی خوشی ہو۔"

"اللہ آپ کو لمبی زندگی دے چچا جان! آپ موی کی ساری خوشیاں دیکھیں۔"

"بس ایک خواہش تھی۔ تم سے کہہ دی۔ اب تمہاری مرضی۔"

اور عبدالرحمٰن شاہ نے بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

"چچا جان! آپ کی خواہش میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

مراد شاہ کا دل یکدم بھر آیا تھا۔ "کاش! آج میرا سلجوق ہوتا تو۔"

پھر دونوں ہی سلجوق کی یاد میں کھو گئے۔

"ایک اور بات بھی ہے عبدالرحمٰن! اگر تم برا نہ مانو تو منگنی کے بعد موی کا یہاں رہنا مناسب نہیں ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ منگنی کے بعد موی ہاسٹل منتقل ہو جائے۔"

"کیوں چچا جان! ایسی کیا برائی ہے موی کے یہاں رہنے سے۔" عبدالرحمٰن نے تڑپ کر کہا تھا۔

"مصطفیٰ اور مرتضیٰ کے باہر جانے کے بعد موی سے ہی تو میرے گھر کی رونق ہے۔ شالی اور عثمان تو گتابی کیڑے ہیں۔ موی ہی تو ہے جو میرے پاس بیٹھتا ہے اور گھر میں رونق لگائے رکھتا ہے۔"

"عبدالرحمٰن بیٹا! بزرگ جو کہتے ہیں' وہ ان کی زندگی کے تجربوں کا حاصل ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے چچا جان.....!" عبدالرحمٰن' مراد شاہ کی کسی بات سے انکار کر ہی نہیں سکتے تھے۔

بڑی دھوم دھام سے عمارہ اور فلک شاہ کی منگنی ہوئی تھی اور فلک شاہ بے حد مطمئن ہو کر ہاسٹل منتقل ہو گئے جبکہ احسان شاہ نے ان کے ہاسٹل جانے پر بہت واویلا کیا تھا۔

"یار! تیرا کام کر تو دیا ہے۔ مروہ پھپھو کے کان میں بات ڈال دی ہے۔ مگر انہیں یہ بات کچھ زیادہ پسند نہیں آئی۔"

"زندگی میں نے گزارنی ہے' مروہ پھپھو نے نہیں۔"

احسان شاہ بہت مطمئن تھا۔ خوش اور مطمئن تو فلک شاہ بھی تھا لیکن اس کا سارا اطمینان اس وقت رخصت ہو گیا تھا جب مائرہ حسین کالج میں داخل ہوتے ہی ان سے ٹکرا گئی۔

"تم کیا سمجھتے ہو فلک شاہ! کہ تمہاری اس ایمرجنسی میں کی جانے والی منگنی کا مطلب میں نہیں سمجھتی۔ اپنے ماتھے پر منگنی کا لیبل لگا کر تم سمجھتے ہو کہ میں احسان شاہ سے محبت کرنے لگوں گی..... محبت زندگی میں ایک بار کسی ایک بندے سے ہی ہوتی ہے..... اور مائرہ حسین نے صرف تم سے محبت کی ہے۔"

اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے فلک شاہ نے کہا۔

"میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہی ہوتی ہے۔"

Khawateen Digest October 2012

"تمہارا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم عمارہ سے محبت کرتے ہو؟" مائرہ حسین نے تیزی سے ان کی بات کاٹی تھی۔

"میں آپ کے سامنے کسی بھی قسم کی وضاحت کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ پلیز میرے راستے سے ہٹ جائیں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اپنے دوست کی خاطر۔"

اور فلک شاہ کا غصہ یکدم ہی عود کر آیا تھا۔ "میں زندگی میں دوبارہ کبھی آپ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ آئندہ میرے سامنے مت آیئے گا۔"

انہوں نے مائرہ حسین کے یکدم سرخ ہو جانے والے چہرے اور آنسوؤں سے بھیگتے رخساروں کو نہیں دیکھا تھا۔

عمارہ کے لبوں سے سوتے میں کراہ نکلی تو وہ یکدم چونک کر عمارہ کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ سوتے میں بھی ان کے چہرے پر کسی اذیت کے آثار تھے' ہونٹ بھینچے ہوئے تھے گیا وہ کوئی اذیت ناک خواب دیکھ رہی تھی۔

تیزی سے وہیل چیئر گھماتے وہ بیڈ کے قریب آئے اور نرمی سے اپنا ہاتھ عمارہ کی پیشانی پر رکھا۔

"عمو.....!"

یہ ان کے ہاتھ کے لمس کا اعجاز تھا یا ان کی آواز کا کہ عمارہ نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ اور پھر انہیں بیڈ کے قریب دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو عمو.....!"

فلک شاہ ان کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ عمارہ نے کمرے میں پھیلی روشنی کو دیکھا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے۔ آپ مجھے جگا دیتے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"آپ اتنے سکون سے سو رہی تھیں۔ کیوں جگاتا بھلا۔" وہ مسکرائے تھے۔

"میں نے تو نماز پڑھ کے یونہی ٹیک لگائی تھی۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ تسبیح پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی۔ آپ نے ناشتا کر لیا؟"

"ہاں! انجی اور میں نے اکٹھا ناشتا کیا ہے۔"

"انجی کہاں ہے؟"

"وہ گھر گئی ہے' دوپہر تک آجائے گی۔"

میں تو اب بالکل ٹھیک ہوں۔ انجی کے یہاں رہنے سے جواد کو پریشانی ہوتی ہو گی۔ وہ چلی جاتی گھر۔"

"میں نے جواد سے کہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ایک آجائے لاہور سے تو چلا جاؤں گا۔"

"ایک کا فون آیا؟"

"ہاں! آج شام تک پہنچ جائے گا۔"

"اس نے کچھ بتایا وہاں الریان میں تو سب ٹھیک ہیں نا..... بابا جان اور۔" بے اختیار ہی ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

انہیں بغور دیکھتے ہوئے فلک شاہ نے پوچھا تھا۔

"آپ کچھ پریشان لگ رہی ہو عمو!"

"نہیں تو۔"

پھیکی سی مسکراہٹ عمارہ کے لبوں تک آکر معدوم ہو گئی تھی۔ لیکن فلک شاہ جانتے تھے کوئی بات تو ہے جو انہیں پریشان کر رہی ہے۔ ورنہ عمارہ نے کبھی ان کے سامنے الریان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کہیں بابا جان کی بیماری کے متعلق تو کوئی سن گن نہیں مل گئی انہیں۔ ایک شاہ نے جاتے ہوئے بڑی سختی سے منع کیا تھا کہ ماما کو بابا جان کے متعلق مت بتایئے گا۔

"وہ دراصل.....!" عمارہ نے انہیں سوچ میں ڈوبے دیکھ کر کہا۔

"ابھی ابھی میں نے خواب میں اماں جان کو دیکھا۔ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھیں۔ میں نے انہیں پکارا بھی تھا۔ ان کے پیچھے بھی بھاگی تھی لیکن انہوں نے نہ میری پکار سنی' نہ مجھے مڑ کر دیکھا۔" عمارہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"وہ..... میرے لیے کتنا تڑپتی تھیں موی! زارا کہتی تھی میرا دکھ انہیں چاٹ گیا ہے۔ دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا ہے انہیں اور میں کتنی بدنصیب بیٹی ہوں کہ اپنی ماں کے آخری لمحوں میں ان کے پاس

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

نہ تھی۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھیں۔ فلک شاہ نے انہیں رونے دیا تھا۔ یہ چھبیس سالوں میں پہلی بار تھا کہ وہ ان کے سامنے اس طرح رو رہی تھیں۔ چھپ چھپ کر تو ہزاروں بار روئی ہوں گی لیکن.... چہرے سے ہاتھ ہٹا کر انہوں نے فلک شاہ کو دیکھا۔

"اماں جان میری راہ دیکھتی رہیں۔ ان کی نظریں دروازے کی طرف ہی لگی رہیں اور پھر میرا انتظار کرتے کرتے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ کسی نے مجھے خبر تک نہ کی موی! کوئی مجھے بتاتا تو میں اڑ کر اسپتال پہنچ جاتی۔ اسپتال کے دروازے تو مجھ پر بند نہیں ہوئے تھے نا۔ زارا یہاں ہوتی تو وہ مجھے ضرور خبر کرتی لیکن اسے تو خود موت کے بعد اطلاع دی گئی تھی۔ صرف اس لیے کہ دیار غیر میں وہ پریشان نہ ہو۔"

"لیکن میں..... کیا وہ میری ماں نہ تھیں۔ کیا میرا....."

بے شمار آنسوؤں نے ان کا حلق بند کر دیا تھا۔ بے حساب احساس پشیمانی میں ڈوبے۔ فلک شاہ ہولے ہولے ان کا بازو سہلا رہے تھے۔ کہنے کے لیے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

دو حرف تسلی بھی نہیں۔

"عمو! بس کرو۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔" عمارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

"سوری موی! میں نے آپ کو پریشان کر دیا۔ پتا نہیں کیوں خواب دیکھنے کے بعد مجھے وہم سا ہونے لگا ہے کہ کہیں بابا جان۔"

"عمو! کوئی فضول بات منہ سے مت نکالیے گا۔ اللہ بابا جان کو بہت لمبی اور طویل زندگی دے اور یہ اس وقت کے خواب تو بس یونہی ہوتے ہیں۔ آپ ان دنوں بہت سوچتی رہی ہیں اماں جان کے اور بابا جان کے بارے میں۔"

"میں نے کب ان کے متعلق نہیں سوچا موی!" عمارہ نے دل گرفتی سے کہا تو بے اختیار فلک شاہ کے لبوں سے نکلا۔

"میں ایسا کیا کروں عمو! کہ گزرا ہوا وقت لوٹ آئے۔"

عمارہ نے اپنے بازو پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے اور نم آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"ہمارے ساتھ..... ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا موی.....!" اور فلک شاہ کے ہاتھوں سے اختیار کی لگامیں چھوٹ گئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر زور زور سے رونے لگے۔

عمارہ نے ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت سخت کر دی تھی لیکن خود ان کی آنکھوں سے دریا بہہ نکلے تھے۔

باہر دن ایسا ہی چمک دار اور روشن تھا اور اندر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے آنسو بہا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"پولیس!"

حسن رضا کو لگا جیسے انہوں نے غلط سنا ہو۔

"جی پولیس۔ احمد رضا کا یہی گھر ہے نا؟" باہر سے آواز آئی تھی۔

بے اختیار مڑ کر احمد رضا کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے دروازے کا لاک کھولا۔ احمد رضا خود حیران کھڑا پولیس کے ان تین بندوں کو دیکھ رہا تھا جو دروازے پر کھڑے تھے۔

"کہیں پولیس کی وردی میں یہ ڈاکو ہی نہ ہوں۔" سوچتے ہوئے غیر ارادی طور پر دو قدم آگے بڑھ کر وہ حسن رضا کے برابر اس طرح کھڑا ہو گیا تھا کہ دروازے سے اندر آنے کا راستہ مسدود ہو گیا۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ پولیس کے افراد ہیں؟"

احمد رضا نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا لیکن اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے وہ حسن رضا سے مخاطب ہوا تھا۔

"میاں صاحب! یہاں کھڑے کھڑے ہی بات کریں یا....."

"آیئے پلیز اندر آیئے۔" حسن رضا نے انہیں راستہ دیا۔

متذبذب سا احمد رضا بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد بھی احمد رضا بڑا چوکنا سا بیٹھا تھا۔

"جی فرمایئے۔"

حسن رضا بے حد پریشان سے کبھی ان تین پولیس والوں کو دیکھتے تھے اور کبھی احمد رضا کو۔

"احمد رضا آپ میں سے کون ہے؟"

ایک پولیس نے کچھ دیر ان کا جائزہ لینے کے بعد پوچھا۔

"میں ہوں احمد رضا!" احمد رضا نے اپنا تعارف کروایا۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے کیا جرم کیا ہے جناب!" حسن رضا کی آواز کانپ گئی تھی۔

"جرم تو کوئی نہیں جناب! لیکن ایک شخص ہے اسماعیل خان اس کے خلاف چند معزز لوگوں نے درخواست دی ہے کہ وہ خلاف دین کاموں میں ملوث ہے۔"

"لیکن وہ تو بہت اچھے اور نیک انسان ہیں۔ بہت بڑے صوفی اور عالم ہیں۔" بے اختیار ہی احمد رضا کے لبوں سے نکلا تھا۔

پوچھنے والے کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی تھی۔

"آپ جانتے ہیں انہیں؟"

"کچھ دن پہلے ان سے تعارف ہوا تھا۔ دو چار بار ان کی محفل میں گیا ہوں۔" احمد رضا اب قدرے مطمئن سا ہو کر اعتماد سے بات کر رہا تھا لیکن حسن رضا بے حد مضطرب تھے۔

"مجھے بھی بتایئے سر! بات کیا ہے۔"

"میاں صاحب یہ شخص اسماعیل جو ہے' اس کے متعلق رپورٹ ہے کہ یہ لوگوں کو دین سے بھٹکا رہا ہے بلکہ خود کو اللہ کا بھیجا ہوا خلیفہ کہتا ہے۔ زیادہ تو نہیں لیکن کچھ لوگ اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو رہے ہیں۔ رپورٹ ہے کہ چند دن قبل اپنے ہاں ہونے والی ایک مجلس میں اس نے خود کو اللہ کا نبی کہا ہے۔ نعوذ باللہ۔ رپورٹ ملنے پر آج رات ہم نے اس کے گھر چھاپا مارا ہے لیکن وہاں صرف ایک چوکیدار تھا۔ وہاں سے تلاشی لینے پر ایک نام اور فون نمبر ملا۔ جب ہم اس بندے سے ملے جس کا وہ نمبر تھا تو اس نے بتایا کہ وہ تو اب وہاں نہیں جاتا۔ البتہ اس نے احمد رضا کے متعلق بتایا کہ وہ بھی اس کے عقیدت مندوں میں شامل ہے۔ تو میاں صاحب! ہم اسی سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ ایس پی صاحب کا حکم ہے کہ احمد رضا کو لے کر آئیں۔ اسماعیل کے متعلق تفتیش کرنی ہے۔ شاید احمد رضا کو اس کے کسی اور ٹھکانے کا علم ہو تو اگر آپ اجازت دیں تو ہم احمد رضا کو ساتھ لے جائیں۔"

حسن رضا نے اپنی زندگی میں ایسا سلجھا ہوا پولیس انسپکٹر نہیں دیکھا تھا۔

"جی..... جی ضرور۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اندر بتا دوں ذرا۔"

تینوں پولیس مین اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

حسن رضا اور احمد رضا ان کے ساتھ پولیس وین میں بیٹھ گئے۔

جب وہ گھر واپس آئے تو رات کے دو بج رہے تھے۔ سمیرا اور زبیدہ بیگم جاگ رہی تھیں۔ حسن رضا نے احمد رضا سے نہ کچھ پوچھا تھا نہ بات کی تھی۔ البتہ اس کے بیان کو خاموشی سے سنا تھا۔ راستے میں بھی انہوں نے احمد رضا سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس نے دو تین بار کن اکھیوں سے انہیں دیکھا تھا لیکن وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا' خیریت تھی؟ کیوں لے گئے تھے وہ آپ دونوں کو۔"

زبیدہ بیگم نے گیٹ کھولتے ہی بے چینی سے پوچھا اور وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے اندر آ گئے۔

"تم جاؤ آرام کرو زبیدہ! اور سمیرا کو بھی کہو' سو جائے' دو بج رہے ہیں۔"

لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے انہوں نے زبیدہ بیگم سے

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

کہا۔

"لیکن مجھے بھی تو پتا چلے کہ بات کیا تھی؟" زبیدہ بیگم پریشان سی کھڑی تھیں۔

"کہا نا کچھ خاص نہیں۔ تمہارے بیٹے کے کسی دوست کے متعلق معلومات چاہیے تھیں پولیس کو۔" ان کے لہجے میں ہلکا سا طنز محسوس کرتے ہوئے احمد رضا جز بز ہوا۔

"ابو! وہ میرے دوست نہیں ہیں۔"

"اوہ ہاں! تم تو ان کے عقیدت مند ہو۔"

"ابو پلیز۔ میری پوری بات تو سنیں۔ آپ ان سے مل کر تو دیکھیں۔"

"تمہاری بات میں نے وہاں سن لی تھی لیکن اس کے علاوہ بھی تمہارے پاس کچھ کہنے کو ہے تو صبح بات کرنا۔" وہ جو اسے سمجھانے کے ارادے سے بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب جا کر آرام کرو۔ صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔" وہ زبیدہ بیگم اور اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے انہوں نے مڑ کر سمیرا کو دیکھا تھا۔ جو ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر ازحد پریشان بیٹھی تھی۔

"بیٹا! جاؤ آرام کرو، فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

بے حد نرمی سے کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ٹی وی لاؤنج میں اب زبیدہ بیگم اور احمد رضا کھڑے تھے۔ احمد رضا کچھ دیر یونہی کھڑا رہا پھر یکدم مڑا اور برآمدے میں آکر سمیرا کی طرف دیکھے بغیر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

کمرے میں آکر اس نے لائٹ جلائی اور سوچا ابھی اور اسی وقت ابراہیم کو فون کرے کہ آخر اس کا نمبر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ خوامخواہ اب ابو کا لیکچر سنو اور.....

لیکن یہ پولیس والے کیا کہہ رہے تھے اور وہ ایس پی۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسماعیل صاحب اس طرح کے نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اس قدر عالم شخص ہیں۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنے والے ہیں۔ یہ الزام ہے ان پر اسے یقین تھا۔

اسماعیل خان نے اسے بتایا تھا کہ کچھ کٹر قسم کے مولوی ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں دین پر صرف ان کی اجارہ داری ہے۔

اسے یکدم یاد آیا تھا کہ یہ پرسوں شام کی ہی بات تھی جب اسماعیل خان نے اسے بتایا تھا اور شاید وہ جانتے تھے کہ ایسا کچھ ہونے والا ہے تب ہی انہوں نے گھر خالی کر دیا ہے..... اور اب پتا نہیں پھر کبھی ان سے ملاقات ہو سکے گی یا نہیں۔ وہ افسردہ ہوا تھا۔

قسمت کی دیوی مجھے چھو کر چلی گئی ہے۔

اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے جوتوں کے تسمے کھولے اور ابھی سیدھا ہوا ہی تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھے فون کی بیل ہوئی۔ اس نے پہلی بیل پر ہی ریسیور اٹھا لیا تھا نیچے لاؤنج میں اس کا ایکس ٹینشن سیٹ پڑا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابو جو ابھی لیٹے ہی تھے اٹھ جائیں اور ہو سکتا ہے یہ فون تھانے سے آیا ہو۔ آتے ہوئے اس نے ان کے کہنے پر اپنا فون نمبر دیا تھا۔ کہیں اسماعیل خان گرفتار تو نہیں ہو گئے۔ اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔

"ہیلو.....!" اس نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی۔ "احمد رضا.....؟"

"یس۔"

"م..... الوینا!" (میں الوینا ہوں)

"کون الوینا؟" وہ الجھا۔

شاید رانگ نمبر..... اس نے سوچا لیکن پھر چونکا۔ نہیں ابھی اس نے اس کا نام لیا تھا۔

"کیا اس فون کا کوئی ایکس ٹینشن ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ہاں ہے تو....."

"تو پلیز پہلے چیک کرو کہ کوئی ایکس ٹینشن پر موجود تو نہیں۔" گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

"اوکے....." اس نے ریسیور ٹیبل پر رکھا اور دروازہ کھول کر سیڑھیوں تک گیا۔ چند سیڑھیاں اتر کر اس نے ریلنگ سے جھانکا۔ نیچے اندھیرا تھا۔

وہ یونہی دبے قدموں اوپر آیا اور دوبارہ ریسیور اٹھایا۔

"نیچے کوئی فون نہیں سن رہا۔"

"میں حضرت جی کے کہنے پر آپ کو فون کر رہی ہوں۔"

"حضرت جی!" وہ چونکا اور پھر یکدم خوش ہو کر بولا۔

"کہاں ہیں خیریت سے تو ہیں؟"

"سنو احمد رضا! تم اس وقت گھر سے باہر نکل سکتے ہو؟" وہ جو اس دلکش آواز کی نغمگی میں کھویا ہوا تھا، چونکا۔

"اس وقت....." وہ پریشان ہوا۔ "بہت مشکل ہے۔"

"کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا احمد رضا! اگر ارادہ پختہ ہو۔ حضرت جی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں اس وقت تمہارے گھر سے باہر مین روڈ پر سگنل کے قریب گاڑی میں ہوں۔ پندرہ منٹ تمہارا انتظار کروں گی۔ اگر آسکو تو آجاؤ۔ صبح ہونے سے پہلے تمہیں یہیں چھوڑ دیا جائے گا۔"

فون بند کر دیا گیا تھا۔ چند لمحے وہ یوں ہی متذبذب سا بیٹھا رہا۔

سمیرا اگر جاگ رہی ہوئی تو ضرور پوچھے گی کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور کیوں..... وہ ابو کو بتا دے گی۔ کم از کم یہ بات وہ ابو سے نہیں چھپائے گی اور پھر ممکن ہے ابو بھی جاگ رہے ہوں۔

اس نے سامنے گھڑی کی طرف دیکھا۔

اڑھائی بج رہے تھے۔ ابھی صبح ہونے میں بہت دیر تھی۔ سردیوں کی راتیں طویل ہوتی ہیں اور..... اس نے جھک کر بیڈ کے نیچے سے اپنے جاگرز نکالے اور تھوڑی دیر بعد وہ ٹیرس کا دروازہ کھول رہا تھا۔ یکدم ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

اس نے ٹیرس پر قدم رکھا۔ یہ چھوٹی سی گیلری یا ٹیرس تھا جو گلی کے چھچلی طرف تھا۔ اس نے ٹیرس کا دروازہ بند کر کے نیچے گلی میں جھانکا۔ پول پر مدقوق سا بلب جل رہا تھا۔ بچپن میں کئی بار وہ پتنگ لوٹنے کے لیے آس پاس گھروں کے ٹیرس پر اترا چڑھا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گلی میں جھانک کر دیکھا۔ گلی ویران تھی۔ رات کے اڑھائی بجے سب ہی سو رہے تھے۔ اس نے ٹیرس کے جنگلے پر ہاتھ رکھ کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ جنگلے سے جھول رہا تھا۔ چند لمحے جھولنے کے بعد ہی اس کے پاؤں نیچے ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے شیڈ پر ٹک گئے تھے۔

اس نے آہستہ آہستہ پہلے ایک ہاتھ چھوڑا اور پھر دوسرا۔ ہلکا سا جھٹکا لگا تھا لیکن وہ سنبھل گیا تھا۔ پھر وہ پہلے شیڈ پر بیٹھا اور پھر شیڈ کا کنارا پکڑ کر لٹک گیا۔ زمین اس کے قدموں سے ایک دو فٹ ہی نیچے تھی۔ پھر اللہ کا نام لے کر اس نے شیڈ کا کنارا چھوڑ دیا۔ دھپ کی آواز آئی۔ گھٹنے ذرا سے مڑے تھے لیکن وہ گرا نہیں تھا۔ لمحہ بھر وہ یونہی کھڑا رہا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ سارے گھر اندھیرے میں ڈوبے تھے لیکن کہیں کہیں کسی گھر سے نائٹ بلب کی مدھم روشنی کی لکیریں درزوں سے جھانک رہی تھیں۔

وہ بہت احتیاط سے چلنے لگا۔ دس منٹ بعد وہ مین روڈ پر سگنل کے پاس سڑک سے نیچے کھڑی گاڑی کے پاس تھا۔ اسے آتے دیکھ کر ڈرائیور نے جو گاڑی کا بونٹ اٹھائے جھکا ہوا تھا جیسے گاڑی میں کوئی خرابی ہو اور وہ چیک کر رہا ہو، سیدھا ہو گیا اور گاڑی کا بونٹ گرا کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ پچھلا دروازہ کھل گیا تھا۔

"آیئے احمد رضا.....!"

وہ دلکش نسوانی آواز سنائی دی تو وہ اندر بیٹھ گیا۔ گاڑی میں مسحور کن خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سفید

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

میکسی والی لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ اس نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن لڑکی نے اپنا مومی انگلیوں والا ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا اور ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے گلابی لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"حضرت جی آپ کے منتظر ہیں' وہیں چل کر باتیں ہوں گی۔"

اس نے اپنا خوب صورت ہاتھ اس کے بازو پر رکھا اور احمد رضا کے اندر جیسے بجلیاں سی کوند گئی تھیں۔ اس نے بڑی شدت سے تمنا کی۔ یہ ہاتھ کچھ دیر اور یونہی اس کے بازو پر رکھا رہے اور وہ اس ہاتھ سے نکلنے والی حدت اپنے رگ و پے میں دوڑتی محسوس کرتا رہے۔ لیکن چند لمحوں بعد ہی اس نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا تھا اور اب اسے اپنی گود میں دھرے سامنے دیکھ رہی تھی۔

تقریباً" بیس منٹ بعد وہ ایک کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو رہے تھے۔ گاڑی پورچ میں رکی تو ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا۔ دونوں گاڑی سے باہر نکل آئے تھے۔ پورچ میں مدھم لائٹ جل رہی تھی۔

اس نے اب غور سے دیکھا۔ یہ ان تین لڑکیوں میں سے' جو حضرت جی کی کرسی کے پیچھے کھڑی ہوتی تھیں' ایک تھی۔ درمیان والی۔ اس وقت وہ ہلکے گلابی رنگ کا میکسی نما لبادہ پہنے ہوئی تھی جس کے اوپر اس نے ایک قیمتی شال لے رکھی تھی۔ سر کے بال کھلے تھے اور بالوں کا آبشار سا اس کے کندھوں پر بکھرا تھا۔ وہ مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا کہ اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا وہ مرکزی دروازے سے جانے کے بجائے پچھلے لان کی طرف جا رہی تھی۔

احمد رضا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور احمد رضا کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل اس کے ہاتھ میں دھڑک رہا ہو۔ وہ سحر زدہ سا اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ پچھلے لان میں وہ یونہی اس کا ہاتھ پکڑے سرونٹ کوارٹر کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ یہ سرونٹ کوارٹر پچھلے لان میں تھا۔ لوہے کی سیڑھیاں چڑھ کر چھوٹا سا کوریڈور تھا۔ جس میں بمشکل ایک آدمی ایک وقت میں کھڑا ہو سکتا تھا اور سیڑھیوں کے بالکل سامنے کمرے کا دروازہ تھا۔ اس نے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ آگے تھی اور احمد رضا اس کے پیچھے۔ اس نے دروازے کو ہلکا سا دھکیلا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر ایک لوہے کے پائپوں والا بیڈ تھا۔ بالکل سامنے دائیں طرف ایک لکڑی کی الماری تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر الماری کو ایک طرف دھکیلا۔ وہ سلائیڈنگ ڈور تھا' جو بظاہر الماری کی طرح دکھتا تھا۔ وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اندر چلی گئی۔

یہ دروازہ ایک کمرے میں کھل رہا تھا۔ غالباً" یہ اس کوٹھی کا فرسٹ فلور تھا۔ کمرے میں صوفے اور ٹی وی تھا اور ایک کم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس ٹی وی لاؤنج سے نکل کر اس نے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی اندر سے کسی نے کچھ کہا تھا پھر وہ دروازے کو ہلکا سا دھکا دے کر کھولتے ہوئے اسے بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے اندر داخل ہو گئی۔

یہ ایک شاہانہ قسم کا بیڈ روم تھا۔ جس میں موجود فرنیچر کی قیمت کا دل ہی دل میں اندازہ لگاتے ہوئے احمد رضا نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اسماعیل خان کو دیکھا۔ ان کے پاؤں کی طرف ان تین لڑکیوں میں سے ایک بیٹھی ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔ اس نے بھی آج گلابی لبادہ پہن رکھا تھا۔ جو اتنا باریک تھا کہ اس کا خوب صورت جسم اس میں سے جھلکتا تھا۔ احمد رضا نے نظریں جھکا لیں۔

"اہلاً" و سہلاً" مرحبا!"

اسماعیل خان نے ہاتھ آگے بڑھایا' جسے احمد رضا نے عقیدت سے تھام لیا اور پھر آنکھوں سے لگا کر چھوڑ دیا۔

اسماعیل خان نے ایک ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسرے ہاتھ کے اشارے سے لڑکی کو اٹھنے کے لیے کہا تھا شاید..... دونوں لڑکیاں سر خم کر کے کمرے سے نکل گئیں۔

سفید میکسی والی تینوں لڑکیاں خاص خادمائیں تھیں جو ہمہ وقت اسماعیل خان کے ساتھ رہتی تھیں جبکہ باقی چھ لڑکیاں اپنی ڈیوٹی ختم کر کے چلی جاتی تھیں۔ یہ بات اسماعیل خان کے ساتھ آخری ہونے والی میٹنگ میں رباب حیدر نے اسے بتائی تھی' جو اسماعیل خان کا مقرب خاص تھا۔

احمد رضا نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اسماعیل خان اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر کانچ کی نازک صراحی تھی جس میں ارغوانی رنگ کا کوئی مشروب تھا۔ کیا اسماعیل خان شراب پی رہے تھے۔ احمد رضا کے دل میں خیال آیا۔

"یہ شراب طہور ہے۔ خاص مشروب۔"

اسماعیل خان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور مسکرائے۔

احمد رضا یکدم مرعوب ہوا۔ تو کیا وہ دلوں کا حال بھی جانتے ہیں۔

"دلوں کا حال تو صرف وہ جانتا ہے۔ ہم تو اس کے ادنیٰ بندے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر اسے حیران کر رہے تھے۔

"یہ صرف مقربین خاص کے لیے ہے۔ ورنہ تم بھی اس کا ذائقہ چکھتے لیکن۔"

وہ مسکرائے ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔

"بہت جلد تم بھی ہمارے مقربین خاص میں شامل ہونے والے ہو..... میں تمہارے سر پر "ہما" کو منڈلاتے دیکھ رہا ہوں..... دولت' شہرت' عزت سب تمہارے قدموں میں ڈھیر ہونے والی ہے۔"

اس کا دل جیسے خوشی سے اڑانیں بھرنے لگا تھا۔ یہی سب تو وہ چاہتا تھا اور اس سب کی تو اسے خواہش تھی۔

"کب..... کب جناب؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"بہت جلد..... بہت جلد لیکن ابھی کچھ امتحان ہیں۔ ان سے گزرنا ہو گا پھر دولت تمہارے گھر کی لونڈی ہو گی اور شہرت تمہارے قدموں کے نیچے۔"

"کیسے امتحان؟" وہ ذرا سا پریشان ہوا تھا۔

"وقت کے ساتھ خود ہی واضح ہو جائے گا۔ ابھی تو ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم پریشان نہ ہو۔ کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ رات کے اس پہر ہم سے تمہاری پریشانی دیکھی نہیں گئی۔ اس تھانیدار نے کیا کہا تمہیں۔" اور احمد رضا نے انہیں سب بتا ڈالا۔

ایک عجیب مسکراہٹ ان کے لبوں پر آئی تھی۔ جسے احمد رضا نے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے ذہن میں یہ آیا تھا کہ دلوں کا حال جاننے والا کیا نہیں جان سکتا کہ اس کی اس تھانیدار اور ایس پی سے کیا گفتگو ہوئی۔ وہ تو مرعوب سا بیٹھا تھا۔

"یہ تم نے اچھا کیا کہ اس مجلس کی تفصیل نہیں بتائی دراصل یہ ہمارے دشمن ہیں احمد رضا! جو الٹا سیدھا ہمارے خلاف اڑاتے رہتے ہیں۔ ان میں کچھ صحافی بھی شامل ہیں۔ یہ سب خود ہی نابود ہو جائیں گے۔ تم دیکھنا ایک روز ان کا انجام برا ہو گا۔ ہو سکتا ہے آئندہ بھی وہ تمہیں بلائیں لیکن تم انہیں اس ملاقات کے بارے میں ہرگز مت بتانا۔ یوں بھی ہم صبح یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"آپ چلے جائیں گے تو؟" احمد رضا گھبرایا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم ہمیشہ ہمارے رابطے میں رہو گے۔ تمہیں منتخب کر لیا گیا ہے اور بہت جلد تمہیں ایک خوشخبری سنائی جائے گی۔"

احمد رضا مرعوبیت اور ممنونیت سے جھک سا گیا۔

اسماعیل نے اپنا دایاں ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر بنے ہوئے ایک بٹن پر رکھا تھا۔ دور کہیں گھنٹی بجی تھی اور وہی لڑکی جس نے اپنا نام اوینا بتایا تھا' اندر آئی۔ اسماعیل خان نے ہاتھ ذرا سا اونچا کیا۔ لڑکی نے ان کے سامنے سر تھوڑا سا جھکایا اور پھر احمد رضا سے مخاطب ہوئی۔

"آیئے جناب!"

احمد رضا اٹھا تو اسماعیل نے اپنا دایاں ہاتھ آگے

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

بڑھایا۔ یہ یہاں کا دستور تھا کہ اسماعیل خان کے سب مرید جب رخصت ہوتے تو ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے تھے۔ احمد رضا نے بھی اسماعیل کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور الوینا کے پیچھے بیڈ روم سے باہر نکل گیا۔

الوینا گاڑی تک اسے چھوڑنے آئی تھی لیکن واپسی کے سفر میں وہ اس کے ساتھ نہ تھی۔ جب وہ اپنی گلی میں داخل ہوا پانچ بج رہے تھے۔ گلی میں ویسی ہی خاموشی تھی اور مکین گہری نیند سو رہے تھے۔ ابھی فجر کی اذان میں وقت تھا۔ وہ جس طرح گیا تھا اسی انداز میں ذرا سی کوشش سے وہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر موجود تھا۔ جتنی پھرتی سے وہ بچپن میں شیڈز پر پاؤں رکھ کر گٹڑیاں لوٹنے چھتوں پر چڑھتے تھے، آج وہ پھرتی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے عنقریب خوش خبری ملنے والی تھی۔

وہ خوش خبری کیا تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا لیکن جب وہ اپنے بیڈ پر لیٹا تو اس کی آنکھیں خوش رنگ خوابوں سے بھری ہوئی تھیں۔

دولت کے ڈھیر اور شہرت کی بلندی۔

وہ خواب میں بھی خود کو بلندیوں پر پرواز کرتے دیکھتا رہا تھا اور اس وقت بھی وہ بڑا حسین خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک شان دار گاڑی سے اتر رہا تھا۔ ٹی وی کیمرے کھٹا کھٹ اس کی تصویریں اتار رہے تھے کہ سمیرا نے دروازہ بری طرح دھڑ دھڑا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔

"کیا ہے؟" دروازہ کھول کر اس نے سمیرا کو گھورا۔

"یونیورسٹی نہیں جانا کیا؟"

اس نے مڑ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

"جلدی آؤ ابو انتظار کر رہے ہیں۔" وہ سر ہلا کر واپس مڑ گیا۔

یقیناً" جو بات ابو نے رات کو اس سے نہیں کہی تھی۔ اب اس سے کرنا تھی، ورنہ آٹھ بجے تک تو وہ آفس کے لیے نکل جاتے تھے۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ میں کوئی بچہ نہیں ہوں کہ مجھے برے بھلے کی پہچان نہ ہو۔"

وہ سر جھٹک کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ سمیرا کی نظریں اس کے گھٹنوں پر تھیں، جہاں اس کی پتلون پر مٹی لگی تھی، جیسے رگڑ کھائی ہو۔ وہ حیران سی سیڑھیاں اترنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ہومی!"

عبدالرحمٰن شاہ نے کروٹ بدل کر ہمدان کی طرف دیکھا، جو بیڈ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا کوئی میگزین دیکھ رہا تھا۔

"جی بابا جان!" اس نے میگزین بند کر کے ٹیبل پر رکھا۔

کہنیوں کے بل انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی تو تیزی سے اٹھ کر ہمدان نے انہیں سہارا دیا اور ان کے پیچھے تکیے رکھے۔

"ہومی!" تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ "ایک نے بہاول پور جا کر کوئی فون نہیں کیا؟"

"جی بابا جان! کل رات اس کا فون آیا تھا۔ آپ کی خیریت پوچھ رہا تھا۔"

"اور..... اور عمو..... تمہاری پھپھو کے متعلق کیا بتایا اس نے؟" انہوں نے بے قراری سے پوچھا۔

"بابا جان! وہ بہت بہتر ہیں اب۔"

"ہومی.....!" وہ ذرا سے جھجکے۔

"تم تو بہاول پور جاتے رہتے ہو۔ عمو نے کبھی ہمارے متعلق کوئی بات کی؟"

"بابا جان! ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بات ہوتی ہی نہیں..... وہ تو سارا ٹائم آپ کی، پاپا کی، انکلز کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ایک ایک کا احوال پوچھتی ہیں۔"

"اچھا کبھی کوئی گلہ، کوئی شکوہ کیا اس نے؟"

"نہیں بابا جان! انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔"

ریڈرز ڈاٹ پی کے کی پیشکش

خواتین ڈائجسٹ کا یہ شمارہ آپ کے لئے "WWW.READERS.PK" نے پیش کیا ہے!

آیئے، آپ بھی READERS.PK اور PAKISTAN.WEB.PK کا قابل فخر حصہ بنئے!

پاکستان ویب پر رجسٹر ہو کر، اس کے ممبر بن کر، اس کا قابل فخر حصہ بنئے!

اپنے دوست احباب کو پاکستان ویب کے بارے میں بتائیں اور انہیں بھی ممبر بننے کی دعوت دیجئے!

پاکستان ویب کا لائبریری سٹاف گروپ جوائن کر کے اردو ادب کے فروغ کی کوششوں میں حصہ ڈالئے!

پاکستان ویب جوائن کر کے دنیا میں پاکستان کا نام اور اس کا اسلامی و قومی تشخص بہتر بنایئے!

پاکستان ویب کے اخراجات ادا کرنے میں انتظامیہ کے ساتھ تھوڑا بہت مالی تعاون بھی کیجئے تا کہ پاکستان کی یہ منفرد ویب سائٹ اپنی بہترین خدمات پاکستان اور آپ جیسے محب وطن پاکستانیوں کیلئے جاری رکھ سکے!

جزاک اللہ خیر!

www.Pakistan.web.pk

محب وطن پاکستانیوں کی معیاری فیملی تفریحی سوشل ویب سائٹ!

www.Readers.pk

for all enthusiast readers

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

"ہاں.....!" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ تو بچپن سے ایسی ہی تھی۔ نہ کوئی گلہ نہ شکوہ، جو کہا مان لیا۔ کبھی اس نے ضد نہیں کی۔ حالانکہ زارا ضد کر لیتی تھی لیکن عمو نے کبھی ضد نہیں کی۔ ماں اگر کبھی ڈانٹ بھی دیتی تو ہنس دیتی۔"

"اماں جان! آپ پر ڈانٹ بالکل بھی سوٹ نہیں کرتی۔" وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر انہیں منا لیتی۔ مجھے نہیں یاد کہ کبھی اس کی کسی بھائی یا بھابھی سے معمولی سی بھی رنجش ہوئی ہو پھر....."

انہوں نے ایک نظر ہمدان پر ڈالی اور پھر بات نامکمل چھوڑ کر اندر آتے مرتضیٰ کو دیکھنے لگے۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے۔ کب گھر جانا ہے مجھے؟"

"بابا جان فی الحال تو ڈاکٹر نے گھر جانے کی اجازت نہیں دی۔ وہ کچھ روز مزید آپ کو انڈر آبزرویشن رکھنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر بھی انجیو گرافی کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں مرتضیٰ! یہ انجیو گرافی نہیں کروانی مجھے۔ موت تو اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا جان! انجیو گرافی ضروری ہوئی تو تب ہی کروائیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ شانی ڈاکٹر عامر اور ڈاکٹر چودھری سے بھی مشورہ کر رہا ہے۔"

مرتضیٰ ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"بیٹا! زندگی میں سب کچھ دیکھ لیا۔ اپنی اولاد اور پھر ان کی اولادوں کو۔ اللہ تم سب کو ہنستا بستا رکھے اور اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔ اور کتنا جینا ہے مجھے۔ بس ایک ہی حسرت ہے کہ مرنے سے پہلے ایک بار عمو کو دیکھ لوں۔ تمہاری ماں بھی اسی حسرت کو دل میں لیے چلی گئی اور میں..... مرتضیٰ! مجھے عمو کے پاس لے چلو۔ ایک بار مجھے اس سے ملوا دو۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔"

"بابا جان! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" مرتضیٰ نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"جیسے ہی آپ کی طبیعت ٹھیک ہوتی ہے، میں آپ کو بہاول پور لے چلتا ہوں اور اگر ڈاکٹر نے سفر کی اجازت نہ دی تو میں خود جا کر لے آؤں گا عمارہ اور مومی کو۔ آپ پلیز ٹینشن نہ لیں۔"

سارے بیٹوں میں سے مرتضیٰ ان کے زیادہ قریب تھے۔ اگرچہ مصطفیٰ بڑے تھے۔ پھر بھی وہ دل کی ہر بات مرتضیٰ سے ہی کہتے تھے۔ احسان چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کا لاڈلا تھا۔ بچپن میں قریب بھی تھا لیکن شادی کے بعد وہ قربت نہیں رہی تھی۔

ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"پتا نہیں شاید میں بھی تمہاری ماں کی طرح عمو سے ملنے کی حسرت لیے دنیا سے چلا جاؤں گا۔"

"نہیں بابا جان میں..... میں کل ہی جا کر عمارہ اور مومی کو لے آتا ہوں۔"

مرتضیٰ نے پھر انہیں یقین دلایا لیکن اندر آتے احسان نے رائے دی۔

"جو چیپٹر کلوز ہو چکا اسے اب کھولنے کی کیا ضرورت ہے۔"

عبدالرحمٰن شاہ نے دکھ اور حیرت سے اسے دیکھا۔

"اور مجھے تو سچی بات ہے، ایک کا بھی گھر آنا پسند نہیں ہے۔ اگر وہ ہمدان کے ساتھ نہ آتا اور آپ نے اسے اجازت نہ دی ہوتی تو میں کبھی بھی اسے الریان میں گھسنے نہ دیتا۔"

بے حد تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن شاہ نے سوچا۔ آخر ایسا کیا ہو گیا تھا جو احسان فلک شاہ کا اتنا مخالف ہو گیا تھا..... حالانکہ مومی تو الریان میں سب سے زیادہ احسان کے ہی قریب تھا۔ رہا اپنے ہاسٹل جانے سے پہلے تک وہ اور شانی ایک ہی کمرہ استعمال کرتے تھے۔ کسی ویک اینڈ پر اسے آنے میں دیر ہو جاتی تھی تو سب سے زیادہ بے چین احسان شاہ ہی ہوتا۔

بہت ساری باتیں ان کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ جن پر پہلے انہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ انہوں نے احسان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور مرتضیٰ سے درخواست کی تھی۔

"مجھے لٹا دو بیٹا!"

مرتضیٰ نے اٹھ کر تکیے درست کیے اور انہیں سہارا دے کر لٹاتے ہوئے ایک سرزنش بھری نظر احسان پر ڈالی اور بے حد آہستگی سے اسے تنبیہہ کی۔

"شانی! تمہیں بابا جان سے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

احسان بنا جواب دیے کندھے اچکا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈاکٹر عامر ابھی تک آئے نہیں۔ میں انہیں دیکھتا ہوں۔ اگر آ چکے ہوں تو....."

مرتضیٰ نے سر ہلا دیا۔ وہ تشویش سے عبدالرحمٰن شاہ کو دیکھ رہے تھے۔ جن کی آنکھیں بند تھیں لیکن پپوٹوں کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ سوئے نہیں ہیں۔

"بابا جان!" انہوں نے محبت سے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"عثمان آج شام کی فلائٹ سے آ رہا ہے۔"

"تم نے خوامخواہ انہیں اطلاع دی۔"

عبدالرحمٰن شاہ نے آنکھیں کھول کر مرتضیٰ کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ مرتضیٰ کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ کچھ بھی ہو، وہ کل جا کر مومی اور عمارہ کو لے آئیں گے۔

"انہیں آنا تو تھا ہی بابا جان! عادل کی منگنی کے سلسلے میں کچھ پہلے آ رہے ہیں۔"

"پریشان ہو رہے ہوں گے۔" عبدالرحمٰن شاہ نے آہستگی سے کہا۔

"نہ بتاتا انہیں تو اور ناراض ہوتے۔ دبئی میں تو ہیں۔ ان کا آنا کون سا مشکل ہے۔"

"چلو اچھا ہے، زندگی میں ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی مرتضیٰ!" اپنے بازو پر رکھے مرتضیٰ کے ہاتھ پر انہوں نے اپنا ہاتھ رکھا۔

"تمہیں کچھ علم ہے۔ یہ شانی، عمو اور مومی کا اتنا مخالف کیوں ہے اور ایک..... اس بچے سے اسے کیا دشمنی ہے۔"

"معلوم نہیں بابا جان!" مرتضیٰ نے نظریں چرائیں۔

"اب مجھے اجازت دیں بابا جان، تین دن سے آفس نہیں گیا۔ بہت کام ہے..... یہ ہومی ہے نا آپ کے پاس۔ میں ان شاء اللہ آفس کا کام نمٹا کر بہاول پور جا کر عمو کو لے آؤں گا۔"

انہوں نے انہیں تسلی دی۔

"وہ آ جائے گی تمہارے ساتھ؟" انہوں نے بچوں کے سے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیوں نہیں بابا جان..... ہومی سے پوچھیں نا، کتنا تڑپتی ہے وہ آپ کے لیے۔"

وہ جانے کے لیے مڑے تو عبدالرحمٰن شاہ نے پھر آواز دی۔

"مرتضیٰ! عاشی کو نہیں لائے تم۔ رات کہا تھا تم سے۔"

"بابا جان! ابھی ملاقات کے ٹائم میں سب گھر سے آئیں گے تو اس کی مامی لے کر آئے گی عاشی کو۔ ابھی تو وہ اسکول گئی ہوئی تھی۔"

"وہ ٹھیک تو ہے نا، اس کا بخار اتر گیا تھا۔"

"جی بابا جان! بالکل ٹھیک ہے اور آپ کے لیے نماز پڑھ کر روز دعا کرتی ہے۔"

عبدالرحمٰن شاہ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ ہمدان کو بابا جان کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے چلے گئے تو عبدالرحمٰن شاہ نے پھر آنکھیں موند لیں۔ عاشی انہیں بہت پیاری تھی۔ شاید یہ عاشی ہی تھی جس کے لیے اللہ نے انہیں زندگی دے رکھی تھی۔ ورنہ انہوں نے اتنا لمبا جی کر کیا کرنا تھا۔

عاشی ان کی زارا کی نشانی۔

عمارہ تو بہت دعاؤں کے بعد ملی تھی۔ چار بیٹوں کے بعد پہلی بیٹی سو انہوں نے عمارہ کے بہت لاڈ اٹھائے تھے لیکن زارا نے تو زبردستی اپنے حصے کی محبتیں وصول کی تھیں۔ وہ زبردستی ان کی گود میں بیٹھ جاتی۔ ضد کر کر کے اپنی بات منواتی۔ ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتی۔ روٹھ کر چلے جانے کی دھمکیاں دیتی۔

عمارہ کی شادی بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اور زارا کی شادی انہوں نے انیس سال کی عمر میں ہی کر

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

دی تھی۔ حالانکہ مصطفیٰ اور مرتضیٰ نے مخالفت بھی کی تھی۔ لیکن رشتہ ہی اتنا اچھا تھا اور سید ارسلان شاہ سے ان کی دوستی بھی اتنی گہری تھی کہ وہ انکار کر ہی نہیں سکتے تھے۔ مجیب ہر لحاظ سے زارا کے قابل تھا۔ ایم بی بی ایس کر کے وہ اعلا تعلیم کے لیے باہر جا رہا تھا اور ارسلان شاہ انہیں اکیلے بھیجنا نہ چاہتے تھے۔ یوں زارا شادی کے بعد مجیب کے ساتھ ہی امریکا چلی گئی تھی اور ہر سال صرف پندرہ دنوں کے لیے وہ دونوں آتے تھے۔ یا کبھی کبھار مجیب زارا کو چھوڑ جاتا تو وہ تین چار ماہ رہ کر چلی جاتی۔ یہ زارا ہی تو تھی جس نے عمارہ سے قطع تعلق کرنے پر واویلا مچایا تھا۔

وہ جب بھی آتی، سب سے جھگڑتی۔ ان کا بول تو خود عمارہ سے ملنے کو ہمکتا تھا۔ اور ماں تو خیر ماں تھی، اسے یاد کرتیں تو آنسو روکنے مشکل ہو جاتے۔

ایک احسان تھا اور ایک مائرہ تھی۔

اب انہیں خیال آ رہا تھا۔

جو ہر بار کسی نہ کسی بہانے زارا کی ہر کوشش پر پانی پھیر دیتے تھے۔

وہ ناراض ہوتی..... روٹھتی اور پھر چلی جاتی۔

اللہ نے شادی کے سولہ سال بعد اسے اولاد کی نعمت عطا کی..... عاشی میں اس کی جان تھی۔ عاشی کی خاطر ہی تو اس نے پاکستان سیٹل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

لیکن موت نے اسے مہلت ہی نہ دی۔ عاشی صرف دو سال کی تھی کہ وہ ڈاکٹروں کی غفلت کا شکار ہو گئی۔ معمولی پیٹ کے درد پر ڈاکٹر نے جو انجکشن لگایا۔ وہ موت کا باعث بن گیا۔ اس کے انتقال کے صرف ایک سال بعد مجیب نے اپنی ساتھی ڈاکٹر سے دوسری شادی کر لی۔ ڈاکٹر زویا کو عاشی کا وجود گوارا نہ ہوا سو جب عبدالرحمن شاہ کو پتا چلا تو وہ عاشی کو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ مجیب نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ شرمندہ تھا کہ زویا عاشی کو اپنے ساتھ رکھنے پر تیار نہیں۔ یوں زارا کو تو موت نے ان سے جدا کر دیا تھا جبکہ عمارہ جیتے جی ان سے جدا ہو گئی تھی۔

کاش! وہ وقت پلٹنے پر قادر ہوتے۔ تو شاید وہ حالات کو صحیح طریقے سے ہینڈل کر سکتے لیکن تب..... تب تو انہیں سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اچانک کیسے اور کیوں ہو گیا۔

مومی تو الریان کے ہر فرد کے دل میں ہوتا تھا پھر یہ اچانک اتنی دوریاں۔ اتنی طویل جدائیاں۔

وہ تو ہاسٹل جانے کے بعد بھی گویا "الریان" میں ہی رہتا تھا۔

انہوں نے کروٹ بدلتے ہوئے آنکھوں کے کونوں پر اٹکے ہوئے آنسو کو انگلی سے صاف کیا۔

مومی نے تو کبھی کسی بات پر غصہ نہیں کیا تھا مگر مرتضیٰ کی شادی پر پہلی بار انہوں نے اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ اور پہلی بار انہوں نے سوچا تھا عمارہ کا رشتہ مومی کو دے کر انہوں نے غلط تو نہیں کر دیا۔ ان کی عمارہ تو بڑی نازک دل ہے وہ بھلا مومی کا اتنا غصہ برداشت کر پائے گی؟

وہ لوگ مرتضیٰ کی سسرال سے واپس آ رہے تھے۔ چند بلاک چھوڑ کر ہی مرتضیٰ کی سسرال تھی۔ لڑکیاں مایوں کی رسم کرنے گئی تھیں۔ اگلے روز ہال میں مہندی کا فنکشن تھا۔ عمارہ اور زارا کی سہیلیاں رشتہ دار لڑکیاں سب ہی پیدل جا رہی تھیں۔ ہنستی گاتی ہنسی مذاق کرتی۔

مومی اور مصطفیٰ ان کے ساتھ تھے۔ عبدالرحمن شاہ اور مراد شاہ پیچھے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا۔ مومی نے ایک سفید کار کا دروازہ کھول کر کسی کو کھینچ کر باہر گھسیٹا تھا اور پھر مومی کے مکے گھاتیں گھونسے اس پر پڑ رہے تھے۔ مراد شاہ دل پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔

"عبدالرحمن! اسے روکو۔ منع کرو غصے میں اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔"

عبدالرحمن شاہ نے پیچھے سے جا کر انہیں اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا تھا مگر وہ.....

"چھوڑ دیں مجھے بابا جان..... زندہ نہیں چھوڑوں گا اس خبیث کو۔"

بہت مشکل سے انہوں نے قابو کیا تھا۔

یہ تو بعد میں مصطفیٰ نے انہیں بتایا تھا کہ وہ نشے میں

تھا اور گاڑی ساتھ ساتھ لے کر چل رہا تھا۔ ایک دو بار اس نے کھڑکی کھول کر کوئی فقرہ بھی اچھالا تھا پھر جب ساری لڑکیاں مرتضیٰ کے سسرال والی گلی میں داخل ہو رہی تھیں تو اس نے گاڑی روک کر دروازہ کھولا اور عمارہ پر کوئی فقرہ اچھالا جو پھر مومی بے قابو ہو گیا تھا۔

اس رات انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔

"بیٹا! اپنے اندر صبر اور حوصلہ پیدا کرو۔ خدانخواستہ وہ بندہ مر مرا جاتا تو کیا کرتے ہم۔"

"جو بھی ہوتا بابا جان لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی ہمارے گھر کی خواتین پر بری نظر ڈالے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں اسے مار ہی ڈالتا۔"

"اس شخص کی حرکت ہی ایسی تھی۔ کوئی بھی غیرت مند شخص برداشت نہیں کر سکتا تھا۔" عمارہ نے کہا تھا۔

مصطفیٰ، مرتضیٰ، عثمان، احسان سب ہی جوان خون تھے اور سب ہی کا خیال تھا کہ مومی نے صحیح کیا۔ بلکہ مرتضیٰ نے تو اس کی پیٹھ بھی ٹھونکی تھی کہ صرف وہی جی دار ہے۔

اور پھر یہی غصہ ہمیشہ کے لیے جدائیاں دے گیا تھا۔

احسان نے اپنا کمپیوٹر آپریشن مکمل کیا تو اس کے چند روز بعد مومی نے بھی بی اے کی ڈگری لے لی تھی۔ تب ایک بار پھر وہ بے حد دکھی ہوئے تھے۔

آج احسان کے ساتھ وہ بھی انجینئر بن کر یو ای ٹی سے فارغ ہوتا تو وہ دونوں کو اعلا تعلیم کے لیے باہر بھیج دیتے۔

ان کا خیال تھا کہ پہلے وہ انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کرے گا، پھر وہ عمارہ کی شادی کا سوچیں گے لیکن مراد شاہ نے ان سے شادی کی درخواست کر دی تھی۔

"چچا جان! ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے، ماسٹرز تو کر لے۔"

"ماسٹرز بھی کر تا رہے گا بیٹا! تمہاری چاچی دن رات بس ایک ہی راگ الاپتی ہے کہ اس کے سر پر سہرا سجا دیکھنا ہے۔ میں نے اپنی خواہش بیان کر دی آگے تمہاری مرضی۔" وہ متذبذب تھے۔

تب مروہ نے زور دیا تھا کہ انہیں فلک شاہ اور عمارہ کی شادی جلد از جلد کر دینا چاہیے۔ کیوں کہ مروہ کے سسرال میں کچھ لوگ انٹرسٹڈ ہیں مومی میں۔

کتنی عجیب بات تھی کہ انہوں نے کبھی مروہ سے اس کے متعلق وضاحت نہیں چاہی مگر اس کے اصرار پر انہوں نے عمارہ اور مومی کا نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ البتہ رخصتی عمارہ کے ایگزام کے بعد ہی طے پائی تھی۔

"بابا جان.....!" ہمدان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ماضی سے پلٹ آئے۔

"آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔" انہوں نے کروٹ بدل کر ہمدان کی طرف دیکھا اور کہنیوں پر زور دیتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

دوا کے بعد ہمدان نے انہیں لیٹنے میں مدد دی۔ وہ بہت دیر سے ان کا اضطراب اور بے چینی دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ آج پاپا سے ضرور پوچھے گا کہ آخر ایسا کیا ہوا تھا کہ عمارہ پھپھو کے ساتھ سب نے تعلق ختم کر لیا۔ بہت عرصہ پہلے ماما نے اسے بتایا تھا کہ مومی نے غصے میں قسم کھائی تھی کہ وہ اور عمارہ آج کے بعد اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گے۔ بس اتنی سی بات۔

لیکن بات اتنی سی تو ہرگز نہیں رہی ہو گی۔ جب وہ اپنے کالج کے ساتھ تعلیمی ٹرپ پر ہمالیہ پور گیا تھا اور ممانے اسے عمارہ پھپھو سے ملنے کی تاکید کی تھی۔ تب وہ عمارہ پھپھو، ایک اور مومی انکل کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا تھا۔ البتہ ماما پاپا سے بہت بار ان کا ذکر سنا تھا اور یہی پتا چلا تھا کہ مومی انکل سے ناراضی کی وجہ سے وہ لوگ اپنی پھوپھو سے بھی نہیں مل سکتے اور وہاں پہلی بار وہ ایک سے ملا تھا۔

ایک فلک شاہ اس کا سگا پھوپھی زاد ہے..... وہ نوجوان شاعر جس کی شاعری کی پہلی ہی کتاب نے دھومیں مچا دی تھیں اور تقریباً "کالج کے ہر لڑکے اور ہر لڑکی کے پاس اس کی کتاب تھی۔

شاعری کی کتاب کے فوراً" بعد ہی اس کا افسانوی مجموعہ بھی آ گیا تھا اور اس کی سیل نے بھی ریکارڈ توڑ

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

دیے تھے۔ وہ خود بھی اس کے متاثرین میں سے تھا..... اور یہ جان کر تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی کہ اس کا یہ کزن چند دنوں بعد لاہور پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے والا ہے۔

اور یہ عمارہ پھپھو کی خواہش تھی کہ وہ لاہور سے اپنی تعلیم مکمل کرے اور وہ بھی پنجاب یونیورسٹی سے۔ یوں ایبک سے اس کی قربت بڑھی تھی۔ اگرچہ وہ خود لاہور سے ایم بی اے کر رہا تھا۔ جبکہ ایبک ماس کیونیکیشن میں ماسٹرز کر رہا تھا۔

وہ اکثر اس کے ہاسٹل چلا جاتا تھا۔ بہت سا وقت اس کے ساتھ گزارتا۔ کئی بار وہ چھٹیوں میں بہاول پور بھی چلا جاتا تھا۔ وہاں عمارہ پھپھو کے علاوہ انجی بھی تھی..... نرم و نازک خاموش طبع۔ پتا نہیں کب اس کے دل میں انجی کا خیال آیا تھا اور کب اس نے انجی کے لیے سوچنا شروع کیا تھا۔ اسے تو احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو زارا پھپھو تھیں جنہوں نے اس کے دل کا چور پکڑا تھا..... وہ ان دنوں بہاول پور میں تھیں اور وہ ایبک کے ساتھ دو دن کے لیے عمارہ پھپھو سے ملنے آیا تھا۔ عمارہ پھپھو ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں اور مومی انکل نے زارا کو بتایا تھا۔

"جب سے ہومی نے آنا شروع کیا ہے' عمارہ کے چہرے پر بھی سرخی نظر آنے لگی ہے۔ زارا! کچھ ایسا کرو کہ عمارہ کے سارے روٹھے رشتے ایک دن مراد پیلس میں زندگی کی لہر دوڑا دیں" اور اسی رات جب وہ زارا پھپھو کے ساتھ واپس لاہور آ رہا تھا انہوں نے پوچھ لیا۔

"ہومی! تمہیں انجی پسند ہے نا۔" اور اس کی نظریں جھک گئی تھیں وہ زارا پھپھو کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ لیکن پھر..... وہ یکدم بے حد افسردہ ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا بابا جان سو گئے تھے۔

اور کتنی عجیب بات تھی کہ وہ دو سال لاہور میں رہا اور اس نے ایک بار بھی اسے الریان چلنے کو نہیں کہا تھا۔ شاید اس کے ذہن میں تھا کہ بابا جان اسے پسند نہ کریں اور احسان چاچو تو مومی انکل کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ انجی کے ذکر پر جس طرح بابا جان اور احسان انکل نے رد عمل ظاہر کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ایبک کو "الریان" لانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن جب وہ اپنی تعلیم ختم کر کے واپس بہاول پور جا رہا تھا تو ماما نے بے حد افسردگی سے گلہ کیا تھا۔

"دو سال سے ایبک یہاں ہے تم کسی روز اسے الریان ہی لے آتے۔ آخر یہ اس کے نانا کا گھر ہے اور ایبک پر تو الریان کے دروازے بند نہیں ہیں۔"

اور تب وہ بھاگا بھاگا کرنل شیر دل کی انیکسی میں پہنچا تھا۔ جہاں ایبک اپنا سامان پیک کر رہا تھا اور پھر "الریان" میں سب نے ہی اس کا بہت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا تھا۔ سوائے رابیل احسان کے مگر عمر احسان تو باقاعدہ اس سے لڑا تھا کہ اس نے اب تک ایبک کو ان سب سے چھپائے کیوں رکھا۔ اور منیبہ شاہ کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ اس روز "الریان" میں موجود سب کچھ اس کے سامنے رکھ دے۔ بھری ہوئی ٹرالی بھی اسے کم لگ رہی تھی اور وہ بار بار اشارے کر کے حفصہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے حفصہ کو سمجھ میں آیا تھا کہ اس کا اشارہ اس گجریلے کی طرف ہے جو مارہ چچی نے بنایا تھا اور اس کے اشاروں کے جواب میں حفصہ نے بلند آواز میں بتایا تھا کہ وہ تو صبح ناشتے پر ہی ختم ہو گیا تھا۔ اور منیبہ بس حفصہ کو گھور کر رہ گئی تھی۔ اس روز کا تصور کرتے ہی ہمدان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر جھک کر بابا جان کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہے تھے اور ان کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اس کا جی چائے پینے کو چاہ رہا تھا۔ کینٹین میں کاؤنٹر پر چائے کا کہہ کر وہ ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھا اور کرسی کھینچ کر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ کونے والی ٹیبل پر اریب فاطمہ کو بیٹھے دیکھ کر چونکا۔ وہ کونے والی ٹیبل پر تنہا بیٹھی تھی اور اس کے سامنے چائے کا کپ رکھا تھا لیکن وہ چائے نہیں پی رہی تھی۔

"کیا وہ بابا جان کی مزاج پرسی کو آئی ہے لیکن پھر یہاں کیوں بیٹھی ہے؟"

ہمدان نے سوچا اور اس کی طرف بڑھ گیا۔

"فاطمہ! آپ یہاں؟" اریب فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آج بھی آپ کالج سے یہاں آ گئیں اور ادھر مونی نے پورے الریان "کوہلا کو رکھ دینا ہے کہ فاطمہ گم ہو گئی۔"

اریب فاطمہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"نہیں! آج میں انہیں بتا کر آئی تھی۔ مجھے دراصل صبا سے ملنا تھا۔ اس نے کل گاؤں جانا ہے نا۔ اماں کی طرف میں نے کچھ چیزیں اور خط بھجوانا تھا۔"

"اوہ اچھا!" ہمدان دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"صبا کچھ مصروف تھی اس لیے میں یہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔"

"آپ کی چائے تو ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔"

"میں نے منع بھی کیا تھا صبا کو لیکن وہ پھر بھی کہہ گئی چائے کا مگر میرا بالکل جی نہیں چاہ رہا۔"

تب ہی کینٹین والے لڑکے نے ہمدان کی چائے لا کر رکھی۔ ہمدان نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اریب فاطمہ کی طرف دیکھا۔ گندمی رنگت اور بے حد خوب صورت آنکھوں والی یہ لڑکی جسے الریان میں آئے بہت زیادہ دن نہیں ہوئے تھے اور جو ابھی "الریان" کے لڑکوں میں سے کسی سے بھی بہت زیادہ بے تکلف نہیں تھی بلکہ وہ تو لڑکیوں سے بھی زیادہ بے تکلف نہیں تھی۔ یہ تو مونی تھی جو کھینچ کھینچ کر اسے سب کی محفلوں میں لاتی تھی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدان مصطفیٰ نے اعتراف کیا کہ اس لڑکی میں بلا کی کشش اور معصومیت ہے۔ اسے لگا' جیسے وہ اس کی موجودگی میں کچھ گھبرا رہی ہے۔ اس لیے چائے پیتے ہی وہ فوراً" کھڑا ہو گیا تھا۔

"او کے فاطمہ! میں چلتا ہوں۔ بابا جان کو سوتا چھوڑ کر آیا تھا۔ کہیں جاگ نہ گئے ہوں۔ آپ اپنی صبا کا انتظار کریں۔"

اور اریب فاطمہ نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ یہ نہیں کہ ہمدان مصطفیٰ سے آج سے پہلے اس کی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی' لیکن یوں اکیلے بیٹھنا نہ صرف یہ کہ اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا بلکہ اسے خوف بھی آ رہا تھا کہ کہیں کوئی یوں اسے ہمدان مصطفیٰ کے ساتھ اکیلے بیٹھے نہ دیکھ لے۔ کہیں ابا یا بھائی ادھر نہ آ نکلیں۔

حالانکہ ابا اور بھائی تو رحیم یار خان سے بھی آگے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ جتنا عرصہ وہ مروہ مامی کے گھر رہی تھی۔ ابا صرف ایک یا دو بار اس سے ملنے آئے تھے اور دونوں بڑے بھائی تو ایک بار بھی نہیں۔

مروہ مامی نے اسے بیٹی بنا رکھا تھا اور یہ تب کی بات تھی' جب وہ صرف نویں یا دس سال کی تھی اور گاؤں کے پرائمری اسکول میں چوتھی جماعت کی طالبہ تھی۔ جبکہ اسفندیار اور عظمت یار نے جو دونوں اس سے بڑے تھے' صرف آٹھ آٹھ جماعتیں پڑھی تھیں اور ابا کے ساتھ زمین داری سنبھالتے تھے۔ ابا کی خاصی بڑی زمین تھی۔ گھر میں روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ بڑی سی حویلی' مال' ڈنگر سب کچھ تھا لیکن ابا اور بھائیوں کے دل بہت چھوٹے تھے کہ وہ اس پر روپیہ خرچ کرنا غیر ضروری سمجھتے تھے۔ تعلیم یوں تو مفت تھی لیکن کسی کاپی' کتاب' قلم دوات پر معمولی رقم خرچ کرنا بھی انہیں گراں گزرتا تھا۔

دو روپے کی پنسل خریدنے پر بھی ابا گھنٹوں بڑبڑاتے رہتے اور اماں کو پیسے کی افادیت پر لیکچر دیتے ہوئے لڑکیوں کی تعلیم کو غیر ضروری قرار دیتے پھر اماں دوپٹے کے پلو سے بندھے دو میلے کچیلے نوٹ چپکے سے کھول کر اسے پکڑا دیتی تھیں۔ وہ تو نوٹ لے کر بھاگ جاتی تھی اور اماں کو ان دو چار روپوں کا حساب دینا پڑتا تھا۔ جو نہ جانے کن دقتوں سے انہوں نے ایسے ہی کسی موقع کے لیے سنبھال رکھے تھے۔ ایک بار اس نے سنا تھا۔ ابا پوچھ رہے تھے۔

"ہاں تو یہ چار روپے کہاں سے آ گئے؟ میرے کرتے سے تو نہیں نکالے تھے؟ دودھ کے حساب میں تو ڈنڈی نہیں ماری؟

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

اچھا چینی منگوائی تھی اس میں سے بچے تھے تو پھر مجھے کیوں نہیں دیے واپس؟"

اور وہ دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے یوں ہی ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ نو سال کی عمر میں بھی اسے ابا کا اس طرح اماں سے پوچھ گچھ کرنا پسند نہیں آیا تھا اور شاید اس روز اماں نے بھی اسے باہر کھڑا دیکھ ہر روز سے زیادہ اپنی تذلیل محسوس کی تھی۔ اس روز کے بعد اس نے اماں کو فارغ وقت میں بستر کی چادروں اور تکیوں پر کڑھائی کرتے دیکھا تھا اماں، ابا، عظمت اور اسفند کے گھر آنے تک مدھم روشنی میں کڑھائی کرتی رہتی تھیں۔ بیٹھک کے سوا باقی سب کمروں میں بہت مدھم روشنی کے بلب تھے۔ کیونکہ ابا کو بجلی کا بل دیتے ہوئے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ جب ان کے گاؤں میں بجلی آئی تھی تو وہ چند ماہ کی تھی۔ اماں نے ایک بار اسے بتایا تھا کہ ابا نے سب سے آخر میں بجلی کا کنکشن لیا۔

اسے بھی کھل کر استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی کہ بل آئے گا۔

اماں کے ہاتھ میں بہت صفائی تھی۔ ان کے پاس اکثر گھروں سے کام آنے لگا تھا۔ اماں سب سے کہتی تھیں۔ کڑھائی میرا شوق ہے۔ فارغ بیٹھا نہیں جاتا۔ ابا کا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔

یوں اماں کے ہاتھ میں چار پیسے آنے لگے تو اماں کو ابا سے پیسے مانگنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اب تو اماں اسے اور شہریار کو بھی کبھی دو روپے بریک میں خرچ کرنے کے لیے بھی دے دیتی تھیں۔ دو روپے مٹھی میں دابے وہ اسکول کینٹین کی طرف جاتے ہوئے خود کو کوئی ملکہ یا شہزادی سمجھتی تھی۔

گاؤں میں لڑکیوں کا اسکول صرف پائمری تک تھا۔

"تجھے پڑھنے کا شوق ہے ریبا؟" ایک بار اماں نے پوچھا تھا۔ تو اس نے سر ہلا دیا تھا۔

"ہاں اماں! بہت زیادہ..... میں بہت زیادہ پڑھنا چاہتی ہوں....." تب اماں کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"میں تمہیں ضرور پڑھاؤں گی۔"

پھر اس نے اماں کو اکثر سوچ میں ڈوبے دیکھا تھا۔ پتا نہیں اماں کیا سوچتی تھیں۔

وہ چھٹیوں میں اماں کے ساتھ کبھی کبھار رحیم یار خان آتی تھی۔ چند دنوں کے لیے..... پھر ابا انہیں واپس بلا لیتے۔ حالانکہ اس کا دل نانو کے گھر میں بہت لگتا تھا نانو گھر میں اکیلی ہوتی تھیں۔ ان کا گھر اتنا بڑا بھی نہیں تھا۔ لیکن وہاں زندگی کی ہر سہولت تھی نانو ان کے لیے مزے مزے کے کھانے پکاتی تھیں۔ اماں بھی نانو کے ساتھ کچن میں گھسی رہتی تھیں اور وہ سوچتی تھی۔ یہاں تو اماں بریانی، فرائیڈ رائس اور چکن روسٹ سب بناتی ہیں اور وہاں صرف پتلے شوربے والا آلو گوشت یا کوئی بھی سبزی ڈال لیتی تھیں۔

شہریار نے ایک بار اسے بتایا تھا۔ "ڈیرے پر ابا، عظمت بھا اور بھا اسفند شہر سے کڑاہی گوشت اور تکے منگواتے ہیں۔ ان دنوں بھی وہ شہریار اور اماں رحیم یار خان آئے ہوئے تھے۔ نانو بہت بیمار تھیں اور ابا نے ازراہ مہربانی اماں کو ان کی صحت یابی تک وہاں ٹھہرنے کی اجازت دی تھی۔ اسکول میں چھٹیاں تھیں اور وہ سوچتی تھی "کاش! یہ ساری گرمیاں یہاں ان ٹھنڈے کمروں میں سوتے گزریں۔"

شہریار کہتا تھا۔ "میں واپس جا کر ابا سے کہوں گا کہ وہ بھی بڑے کمرے میں اے سی لگوالیں۔"

اور اسے ہنسی آجاتی تھی۔ لیکن شہریار کو یقین تھا کہ ابا اس کی بات مان لیں گے کیونکہ وہ اسفند سے کہے گا اور ابا اسفند کی بات نہیں ٹالتے تھے۔

اور اگر ابا اس کی بات مان بھی لیتے۔ اے سی لگ بھی جاتا تو کیا ابا اے سی استعمال بھی کرنے دیتے؟ ہر کمرے میں پنکھا ہونے کے باوجود پوری گرمیاں ہاتھ کا پنکھا جھلتے جھلتے ان کے ہاتھ تھک جاتے تھے۔

اس نے یہ سوچا تو ضرور تھا لیکن شہریار سے نہیں کہا تھا۔ شہریار جو ابھی صرف چھ سال کا تھا، وہ اس کے چہرے پر مایوسی کے رنگ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی

آنکھیں کی امید کی روشنی سے چمک رہی تھیں۔ وہ ابا کو اتنا نہیں جان سکا تھا جتنا اس نے دس سال کی عمر میں جان لیا تھا۔

نانو کے گھر میں ہی پہلی بار وہ مروہ سے ملی تھی۔ وہ نانو کی بیماری کا سن کر آئی تھیں۔ اور انہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں۔

"اللہ زینب! یہ تمہاری بیٹی ہے بالکل تمہارے جیسی ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں بیاہ کر رحیم یار خان آئی تھی تو تم اتنی ہی تھیں۔ اپنی اماں کے ساتھ تم مجھے دیکھنے آئی تھیں اور کیسے پٹ پٹ آنکھیں جھپکاتے ہوئے فر فر انگریزی بول رہی تھیں۔ میں تو تمہارے ایکسنٹ پر حیران تھی۔ تم اتنی سی عمر میں کتنی پر اعتماد تھیں۔ کتنے کانفیڈنس سے تم نے مجھ سے باتیں کی تھیں مگر تمہاری بیٹی..... یہ تو بڑی بھیپو سی لگ رہی ہے۔"

اور وہ جو اماں کے پیچھے چھپی ہوئی چپکے چپکے انہیں دیکھ رہی تھی، اور بھی شرما گئی تھی۔ انہوں نے اسے اماں کے پیچھے سے کھینچ کر اپنی بانہوں میں بھر کر بہت سارا پیار کیا تھا اور وہ لال چقندر ہو گئی تھی۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھیں۔

"سنو! تمہیں پتا ہے میرے تین بیٹے ہیں۔ بیٹی کوئی نہیں۔ تمہاری بیٹی کو دیکھ کر دل میں بیٹی کی حسرت پھر سے جاگ اٹھی ہے۔"

"تو بھابھی جان! اسے آپ ہی لے لیں۔"

اماں کی بات سن کر وہ حیران سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ اماں کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ تو کیا اماں سچ مچ اسے دے دیں گی..... اس نے سوچا مگر پھر خود ہی جواب بھی دے دیا تھا۔

"نہیں، اماں مذاق کر رہی ہوں گی۔"

پھر وہ ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر شہریار کو دیکھنے چھت پر چلی گئی تھی، پھر پتا نہیں ان دونوں میں کیا عہد و پیمان ہوئے تھے اسے کچھ علم نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ رات کو جب وہ اماں کے پاس لیٹی ہوئی منتظر تھی کہ اماں کہانی سنائیں تو اسے یکدم مروہ پھپھو کی بات یاد آئی اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اماں! آپ جب چھوٹی تھیں تو انگریزی بولتی تھیں۔ مروہ مامی کہہ رہی تھیں نا۔ فر فر انگریزی بولتی تھیں۔ اماں! کیا آپ لندن سے آئی تھیں۔"

اماں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا مگر ان کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔ اکثر اس کے کسی سوال پر اماں کی آنکھیں یوں ہی جھلملا جاتی تھیں اور اس کا سوال ان جھلملاہٹوں میں کہیں گم ہو جاتا تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اماں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کسی گہری سوچ میں کھو گئی تھیں۔ تب نانو نے جو آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔ آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

"زینب! یہ تو نے مروہ سے کیا کہا اور کیوں؟ میں ہوں نا ادھر تو اریب کو اپنے پاس رکھوں گی۔ یہ پانچویں پاس کر لے نا تو میں خود اسے لے آؤں گی۔ تو کیوں فکر کرتی ہے، یہ ضرور پڑھے گی جتنا پڑھنا ہے۔"

"ہاں اماں! میں نے اسفند کے ابا سے بات کر لی تھی کہ اسے میں پانچویں کے بعد رحیم یار خان بھیج دوں گی اماں کے پاس۔"

اور اس کا دل جیسے بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ یہاں رہے گی نانو کے پاس۔ اس کے کتنے مزے ہوں گے..... اس نے سوچا وہ شہری کو بتائے لیکن شہری اماں کے دائیں طرف لیٹا آنکھیں بند کیے گہری نیند سو رہا تھا۔

"میں نے تو کتنا کہا تھا تجھ سے اسفی اور عظمت کو میرے پاس بھجوا دے۔ یہاں رہ کر پڑھ لیں گے۔"

"اماں! ان کا رجحان ہی نہیں تھا پڑھنے کا۔ اسفی کے وقت تو خیر اسکول ہی مڈل تک تھا لیکن عظمت کے وقت تو بائی ہو گیا تھا۔ وہ دونوں تو بالکل اپنے باپ پر گئے ہیں۔"

"ہاں!" نانو نے بھی گہری سانس لی تھی۔

"وہی اٹھان۔ وہی قدبت، وہ سوچ فکر۔"

نانو اور اماں باتیں کرنے لگی تھیں۔ وہ کہانی سننے کی امید چھوڑ کر اپنے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ اس روز خواب میں بھی وہ خود کو نانو کے گھر دیکھتی رہی تھی۔ نانو کے

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

پاس رہنے کے خیال سے وہ بہت خوش تھی اور اس نے دعا مانگی تھی۔ یا اللہ وہ جلدی جلدی پانچویں پاس کر لے۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اس بار وہ نانو کے گھر آخری بار آئی ہے۔ اور آخری بار اپنی نانو کو دیکھ رہی ہے۔ آج کے بعد وہ نانو کے ہاتھ کے پکے مزے دار کھانے کبھی نہیں کھا سکے گی اور کبھی چھٹیوں میں آکر وہ اور شہری ٹھنڈے کمرے میں سخت گرمی میں اے سی لگائے ٹھنڈک کے مزے نہیں لوٹ سکیں گے۔

لیکن اماں شاید جانتی تھیں۔ شاید ڈاکٹر نے اماں سے کچھ کہا تھا' اس لیے تو انہوں نے مروہ مامی سے بات کرلی تھی۔ صرف تین دن بعد جب اسفند انہیں لینے آیا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"ابا کہہ رہے ہیں بہت رہ لیا' اب گھر چلیں۔ رحیم دودھ دوہتے ہوئے چالاکیاں کرتا ہے۔ ماسی زیناں کی بلوتے ہوئے آدھا مکھن چٹ کر جاتی ہے۔ وہ ہر وقت گھر پر رہ کر نگرانی نہیں کرسکتے۔"

"ذرا صبر کرلے اسفی! اماں جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے تو ٹھیک ہی لگتی ہے۔" اسفند بڑبڑ ہو رہا تھا۔

"اچھا ایک دن رک جائیں نے مروہ کو بلایا ہے' وہ کچھ دن اماں کے پاس رہ لے گی۔"

اس نے کبھی مروہ کو نہیں دیکھا تھا۔

اسفند کو رحیم یار خان رہنا کبھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن وہ مجبوراً" رک گیا تھا۔ اسی رات نانو کا انتقال ہو گیا تھا۔ اماں بہت روئی تھیں۔ گھر آکر بھی اماں کے آنسو مہینوں نہیں تھمے تھے۔ اماں روتیں تو وہ بھی ان کے پاس بیٹھ کر رونے لگتی تھی..... ہولے ہولے اماں نے خود کو سنبھال لیا تھا..... اماں اکلوتی بیٹی تھیں۔ نہ کوئی بہن نہ بھائی۔

ابا' اسفند اور عظمت جا کر نانو کے گھر سے سارا سامان لے آئے تھے اور گھر کرائے پر چڑھا دیا تھا..... فریج' ٹی وی' اے سی سب..... فریج صرف گرمیوں میں استعمال کیا جاتا تھا اور وہ بھی صرف رات کو۔ صبح اٹھتے ہی ابا سب سے پہلے سوئچ آف کرتے تھے۔ سردیوں میں فریج کپڑے رکھنے کے کام آتا تھا۔ ٹی وی بیٹھک میں رکھ دیا گیا تھا..... ڈیرے سے آکر رات بارہ بجے تک اسفند اور عظمت ٹی وی دیکھتے تھے۔ کبھی کبھی ابا بھی دیکھ لیتے تھے۔

وہ جب پانچویں کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تو بہت اداس تھی۔ اب نانو نہیں تھیں اور اسے یہاں رہنا تھا اسی گھر میں..... وہ اماں کو بھری دوپہروں میں گرمی میں باہر برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھے کڑھائی کرتے دیکھتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی اماں منتظر نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتی تھیں جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو اور ایسے ہی اداس دنوں میں ایک روز مروہ مامی آگئیں۔ ہنستی مسکراتی۔

اماں کے چہرے پر جو اتنے دنوں سے اضطراب چھایا ہوا تھا اور ایک انتظار کی سی کیفیت آنکھوں میں ٹھہری تھی' یکدم ختم ہو گئی تھی۔ تو گویا اماں کو مروہ مامی کا انتظار تھا۔ اس نے سوچا تھا۔

اور پھر جتنے دن مروہ مامی وہاں رہی تھیں۔ اسفند' عظمت اور ابا ڈیرے سے جلد ہی گھر آجاتے تھے اور پھر بیٹھک سے اسفند اور عظمت کی ہنسی اور ابا کے قہقہوں کی آوازیں سن کر اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

مروہ مامی کی شخصیت میں جانے کیا سحر تھا کہ ان دنوں ابا نے بھی اپنی جیب ڈھیلی کر دی تھی اور گھر میں فروٹ' چکن اور دوسری اشیا سب فراوانی سے آرہی تھیں۔

"آپ کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے بھابھی!" بریانی کھاتے ہوئے اس روز ابا نے تعریف کی تھی۔

زینب کے ہاتھ میں مجھ سے زیادہ ذائقہ ہے بھائی جان! اور بریانی پکانی تو میں نے زینب کی اماں جان سے ہی سیکھی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی آزمایا ہی نہیں۔"

اور ابا صرف کھانس کر رہ گئے تھے۔ اس روز اماں نے اسے بتایا تھا کہ کل صبح اسے مروہ کے ساتھ جانا ہے اور وہیں رہ کر پڑھنا ہے۔ وہ اداس ہو گئی تھی۔

"نہیں! میں آپ کو اور شہری کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہیں رہنا ہے آپ کے پاس۔ مجھے نہیں پڑھنا۔"

"رابو! یہ میری خواہش ہے کہ تم پڑھو۔ بہت سارا۔ میری تعلیم ادھوری رہ گئی تھی لیکن تم اپنی تعلیم مکمل کرو۔" ان کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔

اور وہ ہمیشہ کی طرح اماں کی آنکھوں کی جھلملاہٹوں میں ڈوب کر ہار گئی تھی۔ اس روز پہلی بار اس نے اماں سے پوچھا تھا' انہوں نے کتنا پڑھا ہے۔ "جتنا نصیب تھا پڑھ لیا۔"

پتا نہیں' مروہ مامی اور ابا میں کیا باتیں ہوئیں لیکن اتنا ہوا کہ وہ مروہ مامی کے ساتھ رحیم یار خان آگئی تھی۔

مروہ مامی کے گھر میں ملازمین کے علاوہ صرف وہیں تھیں۔ ان کے شوہر ان کی ساس اور ان کے دو بڑے بیٹے ملک سے باہر تھے۔ ایک کی شادی ہو چکی تھی۔ اور دوسرے نے ابھی دو سال پہلے اپنی تعلیم مکمل کر کے جاب کی تھی جبکہ تیسرا لاہور میں پڑھ رہا تھا کسی کالج یا یونیورسٹی میں۔

شروع کے کچھ ہفتے وہ بے حد اداس رہی تھی لیکن پھر مروہ مامی اور اماں جان کی محبت سے وہ بہل گئی تھی۔ انکل بھی اس کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ اکثر اس کے لیے کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے لے آتے تھے۔ کبھی برگر' کبھی چاکلیٹ کبھی آئس کریم..... یہاں وہ بہت خوش تھی۔ وہ چھٹیاں ہونے سے ایک دن پہلے ہی سامان باندھ کر گاؤں جانے کو تیار ہو جاتی تھی۔ کبھی انکل اسے چھوڑ آتے اور کبھی اسفند اور عظمت میں سے کوئی اسے لینے آجاتا تھا۔ یوں اسی آنے جانے میں اتنے سال بیت گئے اور وہ بی اے میں آگئی' پھر اسے یہاں الریان میں آنا پڑا تھا۔ لیکن مروہ پھپھو جاتے ہوئے اس کو کافی سارے پیسے دے گئی تھیں کہ اگر کبھی وہاں سے بھجوانے میں دیر سویر ہو جائے اور اسے ضرورت ہو تو وہ خرچ کر سکے۔ وہاں جا کر بھی انہوں نے ان چھ ماہ میں دو تین بار اس کے اکاؤنٹ میں رقم بھیجی تھی۔

اس کے اخراجات ہی کیا تھے۔ کھانا پینا سب الریان میں تھا۔ حتیٰ کہ منیبہ اور حفصہ سردیوں کی

ماہنامہ حنا
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
لاہور

اکتوبر 2012 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

اکتوبر 2012 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ "کرکٹر عمران نذیر" سے کاشف گوریجہ کی ملاقات،

☆ "موسم کا اشارہ" رمشا احمد کا مکمل ناول،

☆ "خواہشوں کا موسم" ھما عامر کا مکمل ناول،

☆ "کاسنہ دل" سندس جبیں کا مکمل ناولٹ،

☆ "روشن سویرا" صبا احمد کا مکمل ناولٹ،

☆ اس کے علاوہ تحسین اختر، کنول ریاض، فلک ارم ذاکر، صدف اعجاز، عروسہ وحید، ثمینہ شفقت اور سباس گل کے افسانے،

☆ "وہ ستارہ صبح اُمید کا" فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول،

☆ "تم ہی آخری جزیرہ ہو" اُم مریم کا سلسلے وار ناول،

اس کے علاوہ

پیارے نبی ﷺ کی باتیں، انشاء نامہ، انٹرویو اور شوبز کی دنیا کی دلچسپ معلومات کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں

ستمبر 2012ء

کا شمارہ آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

شاپنگ کرنے گئیں تو اس کے لیے بھی سوٹ، جرسی اور شال لے آئی تھیں۔ سب ہی بہت مخلص اور محبت کرنے والے تھے۔ بالکل مروہ مامی کی طرح۔

اس نے اماں کے لیے گرم سوٹ اور شال خریدی تھی اور شہری کے لیے بھی کافی چیزیں لی تھیں۔ شہری اب میٹرک میں تھا۔ اسے شہری سے بہت پیار تھا جبکہ عظمت پیار اور اسفند یار سے وہ بہت ڈرتی تھی۔

صبا کے یوں اچانک ملنے پر وہ بہت خوش تھی۔ پتا نہیں صبا کہاں رہ گئی تھی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تو صبا کو آتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور سب چیزیں صبا کے حوالے کر کے فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے صبا! میں اب چلتی ہوں..... اور سنو! اماں سے کہنا میں کسی ویک اینڈ پر آؤں گی تمہارے ساتھ ان سے ملنے۔"

ہسپتال کے گیٹ سے نکلتے ہوئے، مائرہ آنٹی اور رابیل مل گئیں۔

"فاطمہ!" مائرہ آنٹی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ رک گئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" اس نے انہیں سلام کیا۔

"ارے تم نے بابا جان کو دیکھنے آنا تھا۔ تو گھر سے ہمارے ساتھ آجاتیں۔ کالج سے اکیلی چلی آئیں۔" مائرہ اس کے دائیں کندھے پر لٹکے اس کے کالج بیگ کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ رحیم یار خان نہیں ہے لاہور ہے اور ابھی تمہیں لاہور کے راستوں کا بھی ٹھیک سے پتا نہیں۔ کہیں خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو ہم مروہ کو کیا جواب دیتے۔"

"نہیں..... وہ میں بابا جان سے کل بھی ملی تھی۔ آج تو میں صبا کے پاس آئی تھی۔" وہ گھبرائی تھی۔

"صبا ہمارے گاؤں کی ہے۔ بالکل ہمارے گھر کے ساتھ اس کا گھر ہے وہاں۔ یہاں ملازمت کرتی ہے۔"

اس نے وضاحت کی تو مائرہ نے بے حد معنی خیز نظروں سے رابیل کی طرف دیکھا، جو ناگواری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں مائرہ کا گیٹ کے پاس کھڑے ہو کر اریب فاطمہ سے باتیں کرنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"لو! ہم خوامخواہ ہی اس کے لیے فکر مند رہتے تھے کہ لاہور کے راستے اس کے لیے نئے ہیں لیکن یہ تو۔"

"یہاں سے میرا کالج نزدیک ہے۔ دو بار میں عمر کے ساتھ کالج سے یہاں آئی تو مجھے عمر نے بتا دیا تھا کہ کون سے نمبر کی وین یہاں آتی ہے اور یہاں سے کون سے نمبر کی ماڈل ٹاؤن جاتی ہے۔"

گھبرا کر وہ مزید وضاحت کرنے لگی تھی۔

"اور میں نے مونی کو بھی بتا دیا تھا کہ میں کالج کے بعد کچھ دیر کے لیے صبا کی طرف جاؤں گی۔"

تب رابیل احسان نے نخوت سے کہا تھا۔

"ماما! اب چلیں بھی۔ مجھے بابا جان سے مل کر پھر ایک دوست کی طرف بھی جانا ہے۔"

"اب تم گھر جاؤ گی یا....." مائرہ کی انکوائری جاری تھی۔

"جی....." اس نے جلدی سے کہا تھا۔ "گھر ہی جانا ہے مجھے۔"

پھر رابیل کو اندر کی طرف بڑھتے دیکھ کر مائرہ بھی اس کے پیچھے چل پڑی تو ایک اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے اریب فاطمہ نے گیٹ کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔ الریان میں مائرہ آنٹی وہ واحد ہستی تھی، جن سے اس کی دور پار کی رشتہ داری بھی بنتی تھی لیکن مائرہ ہی وہ واحد ہستی بھی تھی جسے اریب فاطمہ کا الریان میں رہنا پسند نہیں آیا تھا۔

مائرہ اس کی اماں کی رشتے کی خالہ زاد بہن لگتی تھی اور شادی سے پہلے اماں اور ان کی بہت دوستی تھی۔

اماں نے ایک بار بتایا تھا۔ اماں کو اس بات سے بڑی تسلی تھی کہ مائرہ وہاں ہے، کوئی مسئلہ ہوا تو اسے بتانا اور اریب فاطمہ نے پہلے ہی دن جان لیا تھا کہ وہ اپنا مسئلہ "الریان" کے ہر فرد سے ڈسکس کر سکتی تھی لیکن مائرہ سے نہیں۔ لیکن یہ بات اس نے اماں سے نہیں کہی تھی۔ وہ تو اس بات پر مطمئن تھیں کہ مروہ نہیں ہے تو

مائرہ ہے نا وہاں اور وہ کوئی غیر تو نہیں اس کا خیال رکھے گی۔

اور تب شہریار بہت ہنسا تھا۔

"ارے اماں! اتنے دور کی رشتہ داری، یہاں سگے چچا اور پھپھو نے کبھی حال احوال نہیں پوچھا تو وہ کیا آپی کا خیال رکھیں گی۔"

"کیوں کیا مروہ خیال نہیں رکھتی؟"

"مروہ مامی کی تو بات ہی اور ہے۔"

"مائرہ بھی تو مروہ کے خاندان میں گئی ہے۔ اس کی خو بو ہو گی اس میں اور رہے تمہارے چچا اور پھوپھی تو وہ تو تمہارا سارا دودھیال ہی بے مہر ہے۔"

"تو آپ کو بے مہر اور خود غرض خاندان میں شادی ہی نہیں کرنا تھی۔"

"تو کیا شادی میری مرضی سے ہونا تھی۔ جھلا نہ ہو تو۔ جہاں اماں نے کر دی، کر لی۔"

اماں کو بھی شہریار سے بہت پیار تھا۔ اسفند اور عظمت کی نسبت۔ ایک تو وہ سب سے چھوٹا تھا اور دوسرا بھائی میں بہت تیز۔

"لیکن اماں! آپ کو احتجاج تو کرنا چاہیے تھا نا۔" وہ یونہی شرارت کر رہا تھا لیکن اماں کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں اور ان کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے تھے۔

اس روز اتنے سالوں بعد اس نے پہلی بار سوچا تھا کہ اماں کا ابا کے ساتھ واقعی کوئی میچ نہ تھا۔ پھر یہ شادی کیسے ہوئی تھی بھلا؟ وہی سید گھرانوں کا مسئلہ ہو گا۔

اس نے خود ہی تصور کر لیا تھا۔ ابا شکل و صورت کے اور پیسے کے لحاظ سے تو اچھے بھلے تھے۔ بس مزاج کے رنگ مختلف تھے۔ ابا کے تیز شوخ، چبھتے چلاتے، آنکھوں میں چبھتے ہوئے اور اماں کے نرم، ہلکے دھیمے، دل میں ٹھنڈک پہنچانے والے۔

وہ اماں اور شہریار کے متعلق سوچتے ہوئے گیٹ سے نکل گئی تھی۔ مائرہ نے ایک نظر مڑ کر پیچھے دیکھا وہ جا چکی تھی۔ تب تیز تیز چلتے ہوئے وہ رابیل کے قریب آگئی۔

"تمہیں کیا جلدی تھی رابی! دو منٹ رک جاتیں۔"

"کیوں کیا آپ کی انکوائری مکمل نہیں ہوئی۔ جو باتیں رہ گئی ہیں۔ وہ گھر جا کر پوچھ لیجیے گا۔"

"توبہ ہے رابی! تم بھی نا..... میں تو حیران ہو رہی ہوں۔ شکل سے کیسی بیوقوف لگتی ہے اور تن تنہا ہاسپٹل چلی آئی۔"

"بے وقوف تو خیر وہ بالکل نہیں مما! اس کا تعلیمی ریکارڈ بہت شاندار ہے۔"

عین اسی وقت رابیل نے کمرا نمبر 9 کا دروازہ ہلکا سا دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے ہی ہمدان صوفے پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ مائرہ نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

"تم یہاں ہو ہمی!"

"ہاں جی..... آپ بیٹھیں۔ بابا جان تو سو رہے ہیں۔"

"لیکن احسان تو کہہ رہے تھے تمہیں آج آفس بھیج کر وہ یا مصطفیٰ بھائی رہیں گے اسپتال۔"

مائرہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا جبکہ رابیل ابھی تک کھڑی تھی۔

"جی لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔ میں نے پہلے ہی چھٹی لے رکھی تھی۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
فائزہ افتخار کے 4 خوبصورت ناول

آئینوں کا شہر	قیمت -/500 روپے
بھول بھلیاں تیری گلیاں	قیمت -/500 روپے
یہ گلیاں یہ چوبارے	قیمت -/300 روپے
پھلاں دے رنگ ہزار	قیمت -/250 روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!

www.Readers.PK for all enthusiast readers!

"اچھا اور بابا جان کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

مائرہ اب ان کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اس کے ذہن میں مسلسل اریب فاطمہ کا خیال آ رہا تھا۔ یہ لڑکی جتنی معصوم دکھتی ہے، اتنی ہے نہیں۔ کتنی ہے مروہ پھپھو کی طرح، آخر انہی کی تربیت ہے نا۔" یکایک اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا تھا۔

"اریب فاطمہ ملی تھی گیٹ پر۔ بابا جان سے ملنے آئی ہوگی۔"

"نہیں تو۔ وہ یہاں اپنے گاؤں کی ایک لڑکی سے ملنے آئی تھی۔"

"تو تمہیں کیسے پتا چلا، جب وہ بابا جان کو دیکھنے آئی ہی نہیں۔"

"اوہ مما!" رابیل بے زار ہوئی۔ "اتنی انکوائری تو آپ نے اس سے کر لی تھی اب ہمدان سے پوچھنا ضروری ہے کیا؟"

ہمدان نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔

"نہیں امی کینٹین چائے پینے گیا تھا۔ وہاں ملی تھی۔" ہمدان سادگی سے کہہ کر بابا جان کی طرف متوجہ ہو گیا جو غالباً" ان کی آوازیں سن کر جاگ گئے تھے اور اب آنکھیں کھولے مائرہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جو بابا جان کا حال پوچھنے کے بجائے یہ سوچ رہی تھی کہ اریب فاطمہ یقیناً" ہمدان سے ملنے آئی تھی۔

کمال ہے، انہیں پتا ہی نہیں چلا۔ گھر میں کب سے یہ چکر چل رہا ہے۔ رابیل اور ہمدان کے لیے تو بہت پہلے سے انہوں نے سوچ رکھا تھا۔ اب یہ لڑکی کہیں اسے پھانس ہی نہ لے۔

"ارے رابیل بیٹا! بیٹھ جاؤ کھڑی کیوں ہو۔"

بابا جان نے مائرہ کو گم صم دیکھ کر رابیل کو خود ہی مخاطب کیا تھا۔ جو پیشانی پر بل ڈالے مائرہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بابا جان کے بلانے پر وہ نادم سی ہو کر ان کا حال احوال پوچھنے لگی تھی۔

"السلام علیکم بابا جان! کیسی طبیعت ہے آپ کی۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ بہت بہتر ہوں۔ یہ تمہارے پاپا اور تایا جان جو ہیں نا یہ ابھی مجھے بیمار بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

انہوں نے ہمدان کے سہارے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا اور تب ہی دروازہ کھلا تھا۔

ہمدان نے اور انہوں نے ایک ساتھ ہی دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

کھلے دروازے میں ایبک اور اس کے ساتھ عمارہ کھڑی تھیں۔

"پھپھو جان!" ہمدان کے منہ سے نکلا۔

اور عبدالرحمٰن شاہ بے اختیار بانہیں پھیلاتے بیڈ سے اترے اور لڑکھڑا گئے۔ ہمدان نے انہیں سہارا دیا۔

"میری عمو.....!"

اور اس سے پہلے کہ عمارہ جو دروازے پر ایبک کا ہاتھ تھامے ساکت کھڑی تھیں بھاگ کر ان کے بازوؤں میں سماتیں۔ وہ بھربھری مٹی کے ڈھیر کی طرح ہمدان کے بازوؤں میں ڈھتے چلے گئے۔

انہیں بیڈ پر لٹا کر ہمدان پاگلوں کی طرح ان کی نبض ٹٹولنے لگا تھا اور پھر ان کے تیزی سے ٹھنڈے ہوتے جسم نے اسے ایسا حواس باختہ کیا کہ وہ ان کی کلائی چھوڑ کر ان کے سینے پر سر رکھ کر چیخ چیخ کر رونے لگا۔ تب دروازے میں ساکت کھڑے ایبک کے جسم میں جنبش ہوئی تھی اور وہ عمارہ کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے ان کی طرف لپکا اور ہمدان کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اس نے پہلے ان کی کلائی پر نبض ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے پر لحہ بہ لحہ پھیلتی مایوسی نے ہمدان کو اندر تک ہلا دیا۔ وہ تیزی سے عمارہ کو ایک ہاتھ سے پیچھے ہٹاتا ڈاکٹر کو بلانے باہر لپکا۔

جبکہ گہری مایوسی تلے ڈوبے دل کو بمشکل سنبھالتے ہوئے ایبک انہیں مصنوعی سانس دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

شدید چاہ ہے تیری، تیری تمنا ہے
تو اس زمیں پہ مری آخری تمنا ہے

نہیں ہے خواب کوئی دوسرا تمہارے سوا
سو دیکھنے کو اسی خواب کی تمنا ہے

مرا تو ایک ہی دل ہے اور ایک ہی حسرت
تمہارے دل میں مگر دوسری تمنا ہے

ترا فراق کوئی داستاں ہے لکھی ہوئی
ترا وصال مری اَن کہی تمنا ہے

نہ بیٹھتی ہے کہیں تک کے، نہ ٹھہرتی ہے
بطونِ خاک کوئی سر بھری تمنا ہے

برائے دل ہے یہ خواہش چراغ جلتا رہے
برائے جسم کوئی اور ہی تمنا ہے

سید کامی شاہ

عجیب سلسلۂ جستجو ہے
جہاں سے ختم ہو رہا ہے
وہیں پہ ایک اور کچھ شروع ہے
عجیب سلسلۂ جستجو ہے
مرے راستے منزلیں مانگتے ہیں
اور مری منزلوں کو راستوں کی آرزو ہے
عجیب سلسلۂ جستجو ہے
مجھے میرا آب مانگتا ہے
اور مری پیاس جو بہ جو ہے
عجیب سلسلۂ جستجو ہے
مری زندگی مجھے قتل کر رہی ہے
اور مری موت کو زندگی کی آرزو ہے
عجیب سلسلۂ جستجو ہے

ثروت زہرا

Join Readers.PK for Digest & Novel Reading!